ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور — پاکستان



21/18

ڈٹ کر مصائب کا مقابلہ کرنا آخر فتح تمہاری ہوگی

میں نے دس سال حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ سے قرآن مجید پڑھا اور انہوں نے مجھ سے وعدہ لیا تھا کہ میں ساری عمر قرآن میں صرف کروں گا اور اسی کو اپنا نصب العین بناؤں گا۔ الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے مجھے اسی وعدہ کے نبھانے کی توفیق بخشی۔

جوانی سے اب بڑھاپے تک یہی میرا مشغلہ رہا اور یہ امانت آپ کے سپرد کر رہا ہوں [illegible] دنیا سے جانے کے بعد بھی یہ سلسلہ خیر جاری رہے۔ یہ سندیں اس لیے دی جاتی ہیں کہ اب آپ میں صلاحیت پیدا ہو چکی ہے۔ اب آپ پر قرآن مجید کا گھر گھر پہنچانا ضروری ہو گیا ہے۔ اگر آپ نے اس فریضہ کو ادا نہ کیا تو یاد رکھیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ گرفت فرمائے گا کہ جب تمہیں میں نے قرآن کی سمجھ دی تھی تو تم نے کوتاہی کیوں کی؟ اور لوگوں تک حق کیوں نہ پہنچایا؟

جب آپ دین حق کا آوازہ اٹھائیں گے تو لوگوں کی طرف سے مخالفتیں ہوں گی، طعنے دیے جائیں گے، تکالیف پہنچیں گی مگر یاد رکھو کہ ڈٹ کر مصائب کا مقابلہ کرنا آخر فتح تمہاری ہوگی۔

باطل دم دبا کر بھاگے گا۔ میری زندگی تمہارے سامنے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کس طرح کامیاب بنایا۔ میرے مقابلہ میں بڑے بڑے آئے مگر سب کو منہ کی کھانی پڑی۔

(آخری دورہ تفسیر کے طلبہ سے حضرت شیخ التفسیر لاہوریؒ کا خطاب)

۲۶ ستمبر ۷۵

۱/۲۵

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَرَضَ عَلَیَّ رَبِّیْ لِیَجْعَلَ لِیْ بَطْحَاءَ مَکَّةَ ذَھَبًا فَقُلْتُ یَا رَبِّ وَلٰکِنْ اَشْبَعُ یَوْمًا فَاِذَا جُعْتُ تَضَرَّعْتُ اِلَیْکَ وَذَکَرْتُکَ وَاِذَا شَبِعْتُ حَمِدْتُکَ وَشَکَرْتُکَ۔

ترجمہ: حضرت ابو امامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا میرے رب نے میرے سامنے تجویز پیش کی کہ تیرے لیے مکہ کی پتھریلی زمین کو سونے کا بنا دوں۔ میں نے عرض کیا کہ نہیں، اے میرے رب! میں یہ نہیں چاہتا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور دوسرے روز فاقے سے ہوں۔ اس لیے کہ جب فاقہ ہو گا تو تیرے سامنے گڑگڑاؤں گا اور تیری یاد کروں گا۔ اور جب پیٹ بھرے گا تو تیری خوبیاں بیان کروں گا۔

کہاں ہیں وہ لوگ جن کو روپیہ پیسہ، مال و زر جمع کرنے کی دھن ان کی زندگی کا جزو بن کر لپٹی ہوئی ہے جو سونے چاندی کو جان سے بھی عزیز رکھتے ہیں، ذرا ادھر آئیں اور اپنے سچے خیر خواہ اور حقیقی رہنما کے ارشاد پر غور کریں۔ انسان عموماً زر کا غلام ہے اسی کے حاصل کرنے میں وہ آرام، سکون، نیند اور تفریح تک اپنے اوپر حرام کر لیتا ہے۔ ہر وقت اس کی فکر میں لگا رہتا ہے کہ کسی طرح مال و زر سے گھر بھر جائے اور پھر اس میں ہر لمحہ اضافہ ہی ہوتا چلا جائے آمدنی میں ذرا کمی آئی اور اس کی جان پر بنی۔ زر حاصل کرنے میں وہ انسانیت سوز حرکتیں کرنے سے نہیں چوکتا۔ چوری کرتا ہے، ڈاکے ڈالتا ہے۔ بعض وقت خود بھوکا مرتا ہے گھر والوں کو بھی بھوکا مارتا ہے اس ڈر سے کہ کہیں روپے کے پیچھے ہی کچھ کمی نہ آ جائے۔ روپیہ پیسہ جمع کرنے کے لیے وہ ہر وقت ہر کام کرنے کے لیے تیار ہے۔ چور بازاری، دھوکے بازی، قتل، لڑائی، مارپیٹ، دنگا فساد، لچاپن، غنڈہ گردی، یہ سب کچھ پیسہ کا لالچ کرتا ہے، یہ پیسے ہی کی دھن ہے کہ دوسرے کو مارنے اور اپنے راستے سے ہٹانے کے لیے بڑے بڑے مہلک ہتھیار ایجاد کئے جا رہے ہیں۔ اور پیسے کے مقابلے میں انسان کی زندگی کو کوئی اہمیت نہیں دی جا رہی ہے۔ ایک گروہ آپ کو ایسا بھی ملے گا جو آسانی سے مال پر قبضہ کرنے کے کچھ اور ہی طریقے سوچتا رہتا ہے۔ آپ نے کیمیا کے دعویداروں کو دیکھا نہیں تو ان کا ذکر ضرور سنا ہو گا۔ ان کی عمریں اسی میں گزر گئیں کہ کسی طرح کم قیمت دھات سونا ہو جائے تو ان کا کام بن جائے۔ کوئی پارس کی پتھری کی دھن میں اپنے آپ کو بھی بھولا ہوا ہے۔ کوئی پیروں کے پھیروں میں پڑتا ہے کہ کوئی ایسا وظیفہ بتا دیجیے کہ صبح روزانہ روپوں کے نوٹ تکیہ کے نیچے سے نکل آئیں۔ مریدوں کو وظیفے سے مفت کا مال ملتا ہے یا نہیں اس کی تو خبر نہیں لیکن پیروں کی چاندی ہو جاتی ہے اور ان کو بے محنت و مشقت ہزارہا نوٹ روزانہ نذرانے کی صورت میں مل جاتے ہیں۔ غرض جس کو دیکھو مال کا دیوانہ ہے اور زر کے حصول کی کوشش میں پاگل بنا پھرتا ہے۔

یہ حدیث ہمیں سکھاتی ہے کہ زندگی کی خوشی مال و زر کے جمع کرنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کی حرص دنیا میں سارے فسادوں کی جڑ ہے۔ انسان اگر امن و امان چاہتا ہے تو ضرورت سے زائد مال و دولت مفت بھی قبول نہ کرے۔ عقلمند وہ ہے جو دوسرے کی پیش کردہ دولت کے لینے سے انکار کر دے اور اس بات کو قبول کرے کہ زندگی میں تنگی آئے یا آسانی دونوں صورتوں کو پسند کرنے والا ہو تا کہ دونوں حالتوں میں اپنے

(باقی صفحہ ۴۸ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ
خدام الدین لاہور

— جاری کردہ —
شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی
قدس سرہ العزیز

— رئیس التحریر —
مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود مدظلہ

— مدیر مسئول —
جانشینِ شیخ التفسیرؒ
حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ

— مدیر —
محمد سعید الرحمٰن علوی

ادارۂ تحریر
مولانا محمد اجمل
زاہد الراشدی
حافظ مہر محمد
حافظ مقصود احمد
صالح محمد حضروی

بدل اشتراک
سالانہ ... ـــ ۲۶
ششماہی ... ـــ ۱۴
سہ ماہی ... ـــ ۷
فی شمارہ ... ـــ ۶۰

بیادِ شیخ التفسیرؒ

ع : زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا

پروگرام اور اعلان کے مطابق زیرِ نظر شمارہ قطبِ وقت، امام العلماء شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری قدس اللہ سرہ العزیز بانی انجمن خدام الدین لاہور اور مؤسس ثانی جمعیۃ علماء اسلام کی یاد میں ہے۔

حضرت لاہوریؒ کے عظیم المرتبت باپ نے جب انہیں اسلام کے لیے وقف کر کے امام انقلاب مولانا سندھیؒ کے سپرد کیا تو اس کے بعد سے لے کر اپنی وفات تک ایک لمحہ بھی وہ اس مقصد سے غافل نہ ہوئے جس کی خاطر والد گرامی نے اپنی محبت قربان کی تھی۔

اس واقعہ کے بعد ان کی زندگی سوز و سازِ رومیؒ اور پیچ و تابِ رازیؒ کا مصداق رہی۔ اور جب بھی جس موڑ پہ انہوں نے ضرورت محسوس کی، وہ مردانہ وار میدانِ عمل میں کود پڑے۔

زندگی کے دوسرے مشاغل سے قطع نظر برطانوی امپیریلزم کے خلاف ان کی جد و جہد کی داستان کی کڑیاں امام الہمام حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز (سی۔ این۔ سی تحریک ریشمی رومال) کی تحریک حریت و استقلال سے ملتی ہیں کیونکہ وہ اسی آستانہ علیا کے فیض یافتہ تھے۔ انہوں نے مخدومانِ عالم حضرت امروٹی، حضرت دین پوری اور مولانا سندھی رحمہم اللہ تعالیٰ سے جو عہد و پیمان کیے تھے انہیں اس طرح نبھایا کہ کبھی اپنے آرام و راحت کی پروا نہ کی۔

تقسیم ملک کے بعد انہوں نے چاہا کہ تقسیم سے پہلے علماء میں جو اختلاف تھا وہ ختم ہو جائے اور باہم مل جل کر کام کیا جائے تاکہ پاکستان کو صحیح معنوں میں اسلامی مملکت بنایا جا سکے۔ اور اس کے لیے انہوں نے دوسرے حضرات کو آمادۂ جہد و عمل کرنے کی امکان بھر کوشش کی لیکن جب ایسا نہ ہو سکا تو ۱۹۵۶ء میں ملتان میں مجددیؒ عزیمت، ولی اللہی فکر اور قاسمیؒ و محمودیؒ نیز مدنیؒ جذباتِ حریت و استقلال کے وارث و علمبردار، مجاہدوں اور

غازیوں کو اکٹھا کر کے جمعیۃ علماء اسلام کی تاسیس ثانی کا مقدس فرض سرانجام دیا۔ اور پھر تادم واپسیں مجاہدین بالاکوٹ و شاملی کے اس بچے کھچے قافلہ حق کی مردانہ وار قیادت و رہنمائی فرما کر اپنے فرض سے سبکدوش ہوئے۔ حتیٰ کہ جب رفیق اعلیٰ نے انہیں اپنے یہاں بلایا۔ اس وقت بھی وہ جمعیۃ علماء اسلام کے بدل "نظام العلماء" کے پلیٹ فارم پر سرگرم عمل تھے۔ اور یہ وہ دور تھا جب بڑے بڑے جغادری اور خرانٹ سیاست دان، جی دار صحافی اور بلند آہنگ قلمکار اور تنظیم و تنظم کی علمبردار جماعتیں مہر بلب تھیں اور مارشل لاء کے جبر نے ہر کسی کی قوت گویائی اور قلم کا جاہ و جلال سلب کر لیا تھا لیکن یہ ایک مرد قلندر تھا اور اس کے عقیدت مند جو اس وقت بھی اَفْضَلُ الْجِهَادِ كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ کا فرض ادا کر رہے ہیں۔

آج اس عظیم انسان کو دنیا سے رخصت ہوئے ۱۳ سال ہوگئے لیکن اس کا پیغام "خدام الدین" کی صورت میں، اس کی جماعت جمعیۃ علماء اسلام کی صورت میں اور اس کی قرآنی خدمات کا دائرہ انجمن خدام الدین، مدرسہ قاسم العلوم اور مدرسۃ البنات لاہور، کراچی کی صورت میں زندہ و پائندہ ہے اور جب تک صفحۂ گیتی پر یہ رونق باقی ہے یہ ادارے بھی باقی رہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

روح شیخ اپنے متوسلین اور عقیدت مندوں کو آج بھی پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ

"اٹھو اور نظامِ فسق و فجور کو بدل کر نظامِ محمدیؐ
کو دنیا میں نافذ کر دو"

فہل من مدکر !!

ایک مجاہد کا سانحہ ارتحال

تحریک خلافت و ریشمی رومال کے بہادر جرنیل، مولانا سندھیؒ کے مخلص ترین شاگرد، حضرت لاہوریؒ کے رفیق و ہم جلیس اور جانشینِ شیخ التفسیرؒ مولانا عبیداللہ انور کے استاذ مکرم مولانا عبدالقادر لغاری ۵ رمضان المبارک کو سانگھڑ میں انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا علیہ الرحمہ کی چند ماہ پہلے لاہور میں اس وقت زیارت نصیب ہوئی جب لاہور میں جمعیۃ علماء اسلام کا کنونشن ہونے والا تھا۔ لیکن حکومتی اقدامات کے سبب نہ ہو سکا۔ مولانا التوا کی اطلاع بروقت نہ ملنے کے سبب ضعف و کمزوری کے باوجود اپنے رفقاء سمیت اس کنونشن میں شمولیت کے لیے تشریف لائے۔ ان کی گفتگو سے ان کے جذبات کا پتہ چلتا تھا جو انہیں اپنے مشائخ سے ورثہ میں ملے تھے۔

حضرت پیر صاحب جھنڈا شریف اور حضرت شیخ الہند قدس سرہما کے حکم پر مولانا سندھیؒ نے گوٹھ پیر جھنڈا میں جو مدرسہ "دارالرشاد" کے نام سے قائم کیا تھا اور جہاں سے مولانا لاہوریؒ مولانا عبداللہ لغاریؒ، مولانا محمد اکرمؒ آف ہالہ نو جیسے آسمانِ رشد و ہدایت کے ستارے، باعمل عالم بن کر نکلے، مرحوم بھی اسی درسگاہ کے فیض یافتہ اور مولانا سندھیؒ کے معتمد خدام میں سے تھے۔ موجودہ صاحب مسند پیر جھنڈا شریف حضرت مولانا پیر وہب اللہ شاہ صاحب ان کے شاگرد اور ان کے والد گرامی حضرت مولانا پیر ضیاءالدین شاہ مرحوم کے تو وہ رفیقِ خاص تھے — فراغت کے بعد مدت العمر اس مدرسہ میں خدمت سرانجام دی جبکہ آزادی و حریت کی راہ میں مردانہ وار قربانیاں دیں۔

وہ مردانِ باخدا بڑی تیزی سے دنیا سے رخصت ہو رہے ہیں جنہوں نے خانقاہ و مدرسہ سے لے کر میدانِ وغا تک ہر جگہ عزم و جرأت اور بہادری و مردانگی کے نقوش ثبت کئے۔ اور اس طرح آنے والی نسلوں کے لیے شاہراہ عمل کی واضح نشاندہی کی۔

اے کاش! کہ کوئی باہمت اور دیانت دار مورخ کمرِ ہمت باندھ کر ان اساطینِ ملت کے حالاتِ زندگی کو مدون و مرتب کر دیں تاکہ نئی نسل ان سلاطین و شاہانِ عالم" سے آگاہ ہو سکتی۔

بہرحال حضرت لاہوریؒ کے رفیق و ہم نشین اور مولانا انور کے استاذ مکرم ہونے کی حیثیت میں مرحوم کا سانحۂ ارتحال ہمارا ذاتی نقصان ہے اور ہم اپنے کو تعزیت کا مستحق سمجھتے ہیں۔ پروردگار عالم آپ کو

کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ہم سمیت آپ کے جملہ متوسلین و اعزہ اور احباب کو اس حادثہ جانکاہ پر صبر کی توفیق نصیب فرمائے۔ ع

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

خاندانِ شہید کے لیے ایک اور صدمہ

جمعیۃ علماء اسلام کے جواں سال اور بہادر رہنما، بلوچستان اسمبلی کے ڈپٹی سپیکر مولانا سید محمد شمس الدین علیہ الرحمہ کے بھائی جناب ضیاء الدین صاحب کے متعلق مختصر خبر آئی ہے کہ وہ اپنے پستول کو صاف کر رہے تھے کہ اچانک پستول چل گیا اور وہ موت کا شکار ہو گئے۔

اس خبر کو پڑھ کر بے ساختہ دل سے ایک دردناک صدا نکلی۔ جس نے کچھ دیر کے لیے سارے جسم کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جوانمرگی اور وہ بھی حادثاتی طور پر ان والدین کے لیے کتنا بڑا صدمہ ہے۔ جنہوں نے تھوڑا ہی عرصہ پہلے ایک جوان بیٹے کو سپرد لحد کیا تھا۔ لیکن مولانا محمد زاہد مدظلہ العالی کی خداداد ایمانی جرأت و استقامت کی داد دینی پڑتی ہے۔ جنہوں نے دل کے غم کو بطور شکوہ زبان پر لانے سے احتراز کیا اور اس طرح اپنے مالک کی مرضی پر راضی ہو گئے۔

ہمارا رواں رواں دعاگو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم ضیاء الدین کے ساتھ اپنی مخصوص رحیمی و کریمی کا معاملہ فرمائیں اور بوڑھے والدین سمیت تمام متعلقین کو صبر کی دولت سے مالا مال فرمائیں۔

حکمرانو! ہوش کرو

(اجمل قادری کے قلم سے)

۱۷ ستمبر کے اخبارات میں ایک خبر شائع ہوئی ہے کہ حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوری کو جہاز سے اس وقت اتار لیا گیا جب وہ رابطۂ عالم اسلامی کے اجلاس میں شرکت کے لیے مکۃ المکرمہ جا رہے تھے۔ اور عمرہ کے احرام میں ملبوس تھے۔ پولیس نے جہاز چلنے سے تھوڑی دیر پہلے مولانا سے اجازت نامہ طلب کیا اور اس کے بعد ان کو سامان سمیت جہاز سے اتار دیا گیا۔ یاد رہے کہ آپ گزشتہ کئی سال سے رمضان المبارک کے آخری عشرہ میں حرم مدنی میں معتکف ہوتے ہیں۔

محافظ ختم نبوت کہلانے والے حکمرانوں کی اس ناروا حرکت سے ہمارے جذبات سخت مشتعل ہیں۔ کیونکہ آپ کو عمرہ پر جانے سے روکنا مسلمانوں کے تمام فرقوں کے مذہبی جذبات سے کھیلنے کے مترادف ہے۔ اس لیے کہ آپ مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے صدر ہیں۔ اور یہ مجلس تمام مسلمانوں کا مشترکہ دینی ادارہ ہے۔

مسلمانانِ پاکستان کے جذبات اس وقت اور زیادہ مشتعل ہوتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ مرزائی فرقہ کے سربراہ مرزا ناصر کو ایک بڑے وفد کے ساتھ لندن میں وطن عزیز کے خلاف سازش کرنے کے لیے جانے کی اجازت تو دے دی گئی لیکن ایک انتہائی مقدس مقام پر نیک مقاصد کے لیے جانے والے ایک عظیم المرتبت مسلمان عالم کو روک دیا گیا۔ جو نہ صرف حضرت کی ذات گرامی بلکہ ملک و ملت کے لیے خیر و برکت کا موجب ہوتا۔ اس خبر میں حکومت کی روسیاہی کے ایک پہلو کے ساتھ ان لوگوں کے لیے بھی ایک عبرت ہے جو بھٹو صاحب کو ملت کا "محسن" قرار دیتے ہوئے نہیں شرماتے

علامہ انور صابری

نذرِ شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ

اے کلام اللہ کے دانائے اسرار و رموز
منکشف تھے ذہن پر تیرے مشیّت کے کنوز

بابِ علمِ مصطفیٰؐ تیرا دلِ آگاہ تھا
تو صراطِ مستقیمِ حق کا خضرِ راہ تھا

تیری پیشانی تھی "انور شاہ" کی آئینہ دار
دیں پوری کا فیض تھا تیری جبیں سے آشکار

تجھ سے ملتا تھا نبوّت کے حقائق کا سراغ
رہنمائے فکر تھا محمودؒ و قاسمؒ کا دماغ

تو قرونِ اوّلیں کا پیکرِ تفسیر تھا
خوابِ ماضی کی مجسّم دلنشیں تعبیر تھا

تیرے اندازِ بیاں میں جذبۂ ایثار تھا
عشق تیرا گوہرِ گنجینۂ کردار تھا

حکمت و دانش کو تو نے صاحبِ عرفاں کیا
زندگی کو ہم مزاجِ مقصدِ قرآں کیا

بربطِ جبریل کے نغمے ترے کانوں میں تھے
ولولے ایماں کے رقصاں تیری شریانوں میں تھے

تجھ کو "سندھی" نے سکھائے تھے رموزِ انقلاب
تھی خرد آموز تیرے واسطے اُمّ الکتاب

درس نے تیرے کئے پیدا وہی خدامِ دیں
جن کی ہستی دولتِ ختمِ رسالت کی امیں

فلسفہ اسلام کا تا زیست سمجھاتا رہا
فقر کو آدابِ سلطانی کے سکھلاتا رہا

تو رہا لاہور میں اور دل مدینے میں رہا
بن کے اک موتی محمدؐ کے خزینے کا رہا

تھی دلیلِ زندگی "عصرِ نو" تیری حیات
روح کا پیمانہ تھا یا بحرِ تقدیسِ صفات

انور خورشیدِ نسبت جاودانی بن گیا
نورِ آنکھوں کا ترے خود تیرا ثانی بن گیا

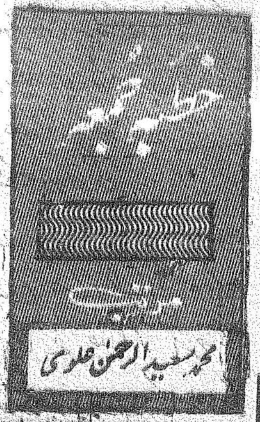
بایزیدِ دورِ حاضر کا تجھے زیبا خطاب
تھا ترا ذوقِ عبادت اولیاء کا ہم رکاب

گلشنِ فردوس کے سانچے میں ڈھلتی جائے گی
تیری تربت سے سدا خوشبو نکلتی جائے گی

رمضان ــــ قرآن

اور

حاملانِ قرآن



جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ ۔ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ ۔ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمداً عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ الہ و اصحابہ اجمعین ۔

اما بعد ، اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ؛ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۔ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۔ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ٥

محترم حضرات ! سورۂ بقرہ کے تیئسویں رکوع کی تیسری آیت آپ کے سامنے تلاوت کی گئی ہے ۔ جس میں قرآن و رمضان کے گہرے تعلق کے ذکر کے ساتھ اس مہینہ میں روزوں کی فرضیت اور بعض مسائل کا تذکرہ ہے ۔

ترجمہ امام الہند حضرت مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمۃ کے الفاظ میں جو برصغیر میں اپنے تبحر علمی ، طلاقت لسانی اور دور بینی میں اپنی مثال آپ ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ مرحوم ہمارے استاد نہیں بلکہ مسلکاً بھی ہم سے مختلف ہیں ۔ لیکن ان کی جراٴت ، اولوالعزمی ، استقامت اور دینِ اسلام کے ساتھ گہرا شغف اپنی مثال آپ ہیں ۔

" یہ رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن کا نزول (شروع) ہوا ۔ وہ انسانوں کے لیے رہنما ہے ۔ ہدایت کی روشن صداقتیں رکھتا ہے اور حق کو باطل سے الگ کر دینے والا ہے ، پس جو کوئی تم میں سے یہ مہینہ پائے تو چاہیے کہ اس میں روزے رکھے ، ہاں جو کوئی بیمار ہو یا سفر کی حالت میں ہو تو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ دوسرے دنوں میں چھوٹے ہوئے روزوں کی گنتی پوری کر لے ۔ اللہ تمہارے لیے آسانی چاہتا ہے سختی و تنگی نہیں چاہتا ۔ اور یہ (جو بیماروں اور مسافروں کے لیے روزہ قضا کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ) اس لئے ہے کہ (حکمت الٰہی نے روزے کے فوائد کے لیے دنوں کی ایک خاص گنتی ٹھہرا دی ہے ، تو تم اس کی) گنتی پوری کر لو (اور اس عمل میں ادھورے نہ رہو اور اس لیے بھی کہ اللہ نے تم پر راہ (سعادت) کھول دی ہے تو اس پر اس کی بڑائی کا اعلان کرو ، نیز اس لیے کہ (اس کی نعمت کام میں لا کر) اس کی شکر گزاری میں سرگرم رہو ۔

گویا آیت مبارکہ میں چھ چیزوں کا بیان ہے :-

- رمضان میں قرآن نازل ہوا ۔ یعنی پہلی دفعہ لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا تک

- قرآن رہنمائی کا ذریعہ ہے، ہدایت کے دلائل اس میں ہیں۔ اور یہ فرقان بھی ہے۔ یعنی حق باطل کو الگ الگ کرتا ہے۔
- جس کی زندگی میں عقل و بلوغ کے ساتھ یہ مہینہ آجائے تو وہ روزے رکھے۔
- مسافر اور بیمار کے لیے رخصت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ آسانی چاہتے ہیں تنگی نہیں چاہتے۔
- دوسرے دنوں میں یعنی سفر و مرض کے خاتمہ پر وہ قضا کر لے۔
- مزید اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی اور اس کی شکرگزاری لازم کر لو۔

جہاں تک رمضان شریف کے فضائل و برکات کا تعلق ہے۔ اس کا بیان اس سے پہلے دو صحبتوں میں ہو چکا ہے۔ تاہم یہ سلسلہ ایسا نہیں جو دو صحبتوں میں پورا ہو یہاں تو —

سفینہ چاہیے اس بحر بیکراں کے لیے

رمضان کی ایک خصوصیت ایسی ہے جس کا قرآن کریم نے اس آیت کی ابتدا میں ذکر کیا۔ یعنی یہ کہ اس میں قرآن کا ابتدائی نزول ایک ایسی رات میں ہوا، جو قرآن کے مطابق ہزار مہینوں سے بہتر ہے لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ۔ بلکہ حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ نے اپنے حواشی میں اس آیت کے ضمن میں ارشاد فرمایا ہے کہ

"حدیث میں آیا ہے کہ صحف براہیمی اور توریت اور انجیل سب کا نزول رمضان شریف ہی میں ہوا ہے۔"

اس حدیث کے نقطہ نظر سے رمضان کی حقیقت اور بڑھ جاتی ہے کہ وہ تمام کتابیں جو انسانیت کی ہدایت و رہنمائی کے لیے دنیا میں اللہ تعالیٰ نے بھیجیں وہ سب اسی ماہ میں نازل ہوئیں۔

اور یہ کتابیں دنیا میں اس لیے آئی تھیں کہ انسانیت ان سے فائدہ اٹھائے، ان سے اکتساب فیض کرے اور ان سے رہنمائی حاصل کر کے اپنی انفرادی و اجتماعی زندگی کا نظام چلائے۔ اور جو لوگ اس حقیقت سے گریز کریں اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ میں ان کو کافر، ظالم اور فاسق ارشاد فرمایا: وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ — هُمُ الظَّالِمُونَ — هُمُ الْفَاسِقُونَ۔

رمضان و قرآن کے اس گہرے تعلق کا اس سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضور علیہ السلام سے ہر سال آ کر اس ماہ میں دور فرماتے جیسا کہ آج کل بھی حفاظ کرتے ہیں۔ اور حضور علیہ السلام کی زندگی مبارک کے آخری سال یہ دور دو مرتبہ ہوا۔ ایسے تراویح کا اہتمام اور اس میں قرآن سننا سنانا بھی اس تعلق کا ایک سبب ہے۔ مزید حدیث میں آتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ قیامت کے دن بندہ کے حق میں قرآن اور رمضان دونوں ہی شفاعت کریں گے۔

تو نزول قرآن کی ابتدا اس ماہ میں ہوئی۔ اس کے بعد ۲۳ سال میں بالواسطہ جبریل امین علیہ السلام یہ قرآن قلب محمدی پہ نازل ہوتا رہا۔ جوں ہی وحی نازل ہوتی تو حضور علیہ السلام جلدی جلدی پڑھ کر یاد کر لیتے مبادا کوئی حرف رہ جائے۔ لیکن اپنی کتاب کے حقیقی محافظ نے فرمایا۔ لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ۔ یعنی جلدی کی ضرورت نہیں۔ نزول کے ساتھ اس کا جمع وغیرہ بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ بلکہ آگے چل کر فرمایا۔ ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ کہ اس کو کھول کر بتلانا اور مفہوم مراد کا بیان کرنا بھی ہمارے ذمہ ہے۔

چنانچہ حضور علیہ السلام آیات قرآنی کی جو تشریح و تفسیر فرماتے امت کا عقیدہ ہے کہ وہ بھی وحی تھی۔ یعنی وحی غیر متلو، کہ مفہوم اللہ رب العزت کا تھا البتہ الفاظ نبی علیہ السلام کے تھے۔ مزید اہتمام یہ ہوا کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت جن میں خلفاء اربعہ کے علاوہ بدباطن اور بدبخت عناصر کی چیرہ دستیوں کے سب سے زیادہ شکار سیدنا امیر معاویہؓ بھی ہیں متعین تھی۔ یہ جماعت لکھنے کا کام کرتی اور جونہی کوئی آیت اترتی ان میں سے کوئی بزرگ حضور علیہ السلام کی ہدایت کے مطابق اپنے مقام پر لکھ دیتے تھے۔ انسانی سینوں اور ان یادداشتوں کے ذریعہ ہی حضور علیہ السلام کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت زید

رضی اللہ عنہ کی وساطت سے قرآن عزیز کو باقاعدہ لکھوایا جو آپ کی زندگی میں آپ کے پاس رہا۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس اور پھر حضرت حفصہ ام المومنین کے پاس۔ اسی نسخہ کی نقلیں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں کرا کر تمام شہروں میں بھجوائیں۔ یہ حفاظت کا ایک قدرتی نظام تھا۔ اس لیے کہ مالک نے وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ کا وعدہ فرما رکھا تھا۔

اس کے علاوہ حفاظ کی ایک کثیر تعداد کا ہر دور میں موجود رہنا بھی اس حفاظت خداوندی کا ایک سبب ہے کہ مسبب الاسباب اسباب کے ذریعہ ہی کام لیتا ہے۔ ویسے وہ بغیر اسباب بھی ہر چیز پر قادر ہے لیکن سنت الٰہی یہی ہے۔ یہ حفاظت کا ایک پہلو ہے جو الفاظ تک محدود ہے۔ اس کے بعد دوسرے پہلو سامنے آتے ہیں۔ اس کی مراد و مفہوم کی حفاظت کا سوال ہے تو حضور علیہ السلام سے جو کچھ صحابہؓ نے سنا وہ محفوظ رکھا اور اسے نسلاً بعد نسلٍ پہنچایا۔ آج دنیا میں لاتعداد تفسیریں ہیں، احادیث کے مجموعے ہیں۔ سب اسی کوشش کے برگ و بار ہیں۔ اندازِ بیاں مختلف ہیں اور یہ طبعی امر ہے۔ کہ ؎

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

اور میں تو کہوں گا کہ دنیا میں جتنے علوم و فنون پڑھائے جا رہے ہیں سب قرآن کے خادم ہیں اور قرآن فہمی و قرآن دانی کا ایک ذریعہ! حفاظت کا ایک پہلو اس کے احکامات کا عملی نفاذ ہے۔ اس لیے کہ جیسا میں نے پہلے کہا کہ کتابیں دنیا میں آئی اسی لیے ہیں اور اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسا نہ کرنے والوں کو کافر، ظالم، فاسق کہا۔

یہ حفاظت بھی اللہ تعالیٰ کر وا رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ کے دورِ مقدس میں قرآنی احکام و قوانین، حدود و تعزیرات اور نظام اجتماعی کے تمام شعبے قرآنی روشنی میں ہی نظر آتے ہیں اور ہر شعبہ میں اس کے مطابق عمل ہوتا ہے۔ اس کے بعد سے آج تک یہ کہنا غلط ہے کہ قرآن کہیں نافذ رہا ہی نہیں۔ کیونکہ مختلف ادوار میں اس کتاب مقدس کے مطابق حکومتیں رہیں اور کام ہوتا رہا۔ رہ گئی خیر و برکت والی بات۔ تو جو برکات دورِ نبوی میں تھیں وہ دورِ صدیقی میں اور دورِ صدیقی والی برکات دورِ فاروقی میں ناممکن ہیں۔ اور جب ایسا ناممکن ہے تو بعد کے ادوار میں یہ کیونکر ممکن ہے؟

تاہم ایک بات جو بالکل مسلّم ہے وہ یہ ہے کہ جب اجتماعی زندگی میں قرآن نافذ و جاری ہو تو پھر عدل و معاشرتی انصاف، معاشی خوشحالی اور عام جماعتی سکھ چین بہرحال موجود ہوتا ہے اور یہ ایک ایسی برکت ہے جو ہر وقت اور ہر جگہ رہی بشرطیکہ قرآن کو اپنایا گیا۔ مثال کے طور پہ آج سعودی عرب وغیرہ کو دیکھیں جہاں مکمل طریق سے نہ سہی تاہم جزوی طور پہ تو قرآن کا نظام یقیناً موجود ہے۔ اس کی واضح برکات سامنے ہیں کہ وہاں قتل و غارت، ڈکیتی، چوری، فساد، جنسی بے راہروی جیسے معاشرتی جرائم موجود نہیں۔ اس کے علاوہ اقتصادی اعتبار سے خوش حالی موجود ہے۔ سیاسی نقطۂ نظر سے استحکام ہے۔ ان چیزوں کا کیا سبب ہے یہی کہ وہاں قرآنی حکمرانی ہے اور جہاں یہ نہیں وہ وسائل کے اعتبار سے کیسے ہی ملک ہوں لیکن وہاں چین نہیں، اخلاقی بے راہروی جنسی انارکی، خودکشی، چوری، ڈاکے اور اس قسم کی چیزیں دنیا کے "مہذب ترین ممالک" امریکہ وغیرہ میں بکثرت موجود ہیں۔ حتیٰ کہ رنگ و نسل اور زبان وغیرہ کے اختلاف کے باعث آج سائنسی دور میں بعض قومیں بعض دوسری قوموں کا گلا کاٹ رہی ہیں، ان کے حقوق پامال کر رہی ہیں! کیوں؟ اس لیے کہ قرآن سے محرومی ہے۔ اور قرآن سے محرومی بربادی کا باعث ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ۔ کہ اس کتاب کے ذریعہ کچھ قوموں کو عزت نصیب ہوگی۔ تو کچھ گر جائیں گی، رسوا ہو جائیں گی۔

محترم حضرات! قرآنی احکام کے نفاذ و اجرا کے معاملہ میں حفاظت خداوندی کا وعدہ کسی نہ کسی صورت میں پورا ہو ہی رہا ہے۔ چند ماہ مفتی محمود جیسے دانا بینا انسان نے تنگ اور محدود ماحول میں ان برکات کی ایک جھلک دکھا دی۔ باقی اگر دنیا اس طرف نہیں آتی تو قرآن پر پھر بھی حرف نہیں آتا۔ وہ تو اپنی پوری تابانیوں کے ساتھ موجود ہے۔ ذلیل ہیں تو وہ جو اس سے

بھی چراتے ہیں۔

قرآن کریم کے اثرات کی بات دیکھنی ہو تو خود قرآن پڑھو۔ زمین و آسمان اور پہاڑ اس بار کے اٹھانے سے معذوری ظاہر کرتے ہیں (الاحزاب) اور اللہ فرماتے ہیں۔ کہ اگر پہاڑوں پر نازل ہوتا تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ لیکن چھوٹے سے انسان کا دل اس آسمانی امانت کا متحمل بنا دیا۔ وَحَمَلَهَا الْإِنسَانُ۔ بڑے بڑے لوگ اس کے سامنے دم بخود تھے۔ عتبہ حضور نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو "سمجھانے" آیا قرآن سنا تو چپ چاپ واپس چلا گیا۔ حضرت عمرؓ کے دل کی سختی قرآن نے بدل ڈالی۔ اور جنہوں نے قرآن پڑھ لیا اور دل میں جگہ دے دی، انہیں دنیا کی کوئی مصیبت بہکا نہ سکی۔ صحابہؓ، تابعین، اولیاء کرام، علماء امت اور مخلص انسانوں کی قرآن کے معاملہ میں عقیدت و محبت کی لازوال داستانوں سے تاریخ بھری پڑی ہے۔ دشمن قرآن سے لرزہ براندام تھے۔ اس لیے تو وہ لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ کہا کرتے تھے کہ قرآن مت سنو۔ کیونکہ وہ جانتے تھے جس نے سن لیا وہ گیا۔ اور برطانیہ کے ایوان زیریں میں وزیر اعظم نے تقریر میں کہا کہ قرآن سے تو ہماری گاڑی نہیں چلے گی اور اس بدبخت نے کتاب مقدس کی توہین بھی کی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے قرآن سے بیگانہ کرنے کے لیے نظام تعلیم بدلا۔ جس میں سب کچھ ہے پر قرآن نہیں ۱۸ سال کی آزادی کے بعد بھی قرآن نظر نہیں آرہا۔

حکمرانوں کی اس بے راہروی کے باوجود ہر دور کی طرح آج بھی وہ بندگان خدا اس دنیا میں موجود ہیں جو قرآن کی تبلیغ دنیا کے چپے چپے پر کر رہے ہیں اور اب تو بیرونی دنیا کی خبروں کے مصداق قرآن اپنا اثر دکھلا رہا ہے اور دنیا خوب مسلمان ہو رہی ہے۔

آخر میں مجھے حاملان قرآن کے متعلق چند باتیں کہنا ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ میاں قیامت کے دن حاملان قرآن کے والدین کو ان انعامات سے نوازیں گے کہ عقل دنگ رہ جائے گی۔ اور خدا انہیں جو کچھ دے گا ما لا عین رأت۔ ولا اذن سمعت کا مصداق ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سنا۔ اور انہی لوگوں کے وجود سے دنیا میں علم کی روشنی ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ کہ ان کے اٹھنے سے علم اٹھ جائے گا۔ اس برصغیر میں خادمان قرآن کی ایک طویل قطار آپ کو نظر آئے گی۔ جن کا سلسلہ حضرت شاہ ولی اللہؒ تک پہنچتا ہے۔ اس لڑی کا ایک حسین و جمیل موتی ہمارے حضرت شیخ التفسیر قدس سرہٗ تھے۔ جن کے والدین نے انہیں بچپن ہی میں ایک دوسرے حامل قرآن مولانا سندھیؒ کے سپرد کر دیا۔ اور سپرد کرتے ہوئے اِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا۔ کہ یہ اسلام کے لیے وقف ہے۔ پھر حضرت سندھیؒ نے اس سعادت مند بچے کو دین پور شریف، امروٹ شریف، گوٹھ پیر جھنڈا اور دیوبند کی معطر اور روحانی فضاؤں میں تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کر کے دہلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ کا والی و نگہبان بنا دیا۔ اور جب وہ انگریزی جبر کا شکار ہوا تو کئی جیلوں سے ہوتا ہوا لاہور آیا۔ اس لاہور کے در و دیوار آگاہ ہیں کہ وہ غریب الوطن مسافر یہاں آیا تو اس کو دو ضامن تلاش کرنے مشکل تھے لیکن قدرت نے اس کفر آباد میں اسلام کی روشنی اس کے واسطہ سے پھیلانا تھی تو اس کے مواقع مہیا کر دیے پھر اس نے قرآن کی خدمت اس حال پہ شروع کی کہ وہ نظر بند تھا اور شاگرد صرف دو تھے۔ یہ اہتمام اس لیے تھا کہ قرآن کے حقوق کے ساتھ اپنے شیخ و مربی مولانا سندھیؒ سے وعدہ تھا کہ خدمت قرآن ضرور ہو گی اور ہر حال میں ہو گی۔

اس بندہ خدا نے سفر میں، حضر میں، صحت میں، بیماری میں حتیٰ کہ جیل میں اس مشن کو اپنایا اور پھر اپنے کردار و عمل سے ایک ایسی روح پھونک گیا کہ آج قرآنی علوم و معارف کے لاتعداد مکاتب و مدارس ان روحانی نہروں سے گونج رہے ہیں۔ اس مرد درویش نے دنیا کی حکومتوں کو کوئی اہمیت نہ دی۔ اس نے اپنے اللہ کے سوا کسی کے سامنے دست سوال دراز نہ کیا اور یوں اپنے مالک و خالق کے عاجز بندہ کی حیثیت سے ایک عظیم انقلاب بپا کر گیا۔

آج علماء کے علاوہ کالج و سکول اور دفتر و سیکرٹریٹ

(باقی صفحہ ۴۵ پر)

مُفسّرُ القرآنؒ

حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ

از: ڈاکٹر سید عبد اللہ

میں ۱۹۲۰ء کے اپریل میں، لاہور میں بغرض تعلیم وارد ہُوا اور اپنے چچا کے پاس رہنے لگا۔

مرحوم و محترم حضرت مولانا احمد علی رحمۃ اللہ علیہ کے معتقدوں میں سے تھے اور ہر روز بعد نماز صبح ان کے درسِ قرآن میں شرکت کرتے تھے۔

میں بھاٹی دروازے کے اسلامیہ ہائی سکول کا طالب علم (جماعت دہم) تھا۔ لیکن جس دن مجھے سکول سے چھٹی ہوتی وہ مجھے بھی اپنے ہمراہ درس سننے کے لیے لے جایا کرتے تھے۔ بعد میں یہ سلسلہ بر بنائے شوق و رغبت قائم رہا۔ اور میں نے حضرت مولانا کے خصوصی حلقۂ درس میں بھی شرکت کی۔ اور بقدر مقدرت معارف قرآنی حضرت کی زبانی سُنے اور مستفید ہُوا۔

لاہور میں حضرت مولانا سے پہلے مولانا عبداللہ پشاوری مسجد وزیر خاں میں درس دیتے تھے لیکن وہ میرے ورود لاہور سے پہلے کی بات ہے۔ میرے زمانے میں دوسری جن دو جگہوں میں درس ہوتا تھا ان میں سے ایک مسجد پٹولیاں (اور کا ہے مسجد سنہری) میں اور دوسرا بازار سما کاراں اندرون موچی دروازہ لاہور —— پہلی جگہ مولانا غلام مرشد اور دوسری جگہ مولانا نجم الدین درس دیتے تھے۔ لیکن ان درسوں کا چرچا اس زمانے میں ہُوا جب حضرت مولانا بسلسلہ ہجرت افغانستان چلے گئے تھے۔

اب سلسلے درس کے بہت سے ہیں مگر جو خصوصیت حضرت مولانا کے درس میں تھی وہ کہیں اور نہ ملی۔

جس زمانے میں میں نے درس سے استفادہ کیا اس میں درس کے دو رنگ ساتھ ساتھ مشاہدے میں آئے

الف: صبح کی نماز کے بعد عام سامعین کے لیے۔

ب: بعد از نماز ظہر خاص طلبہ کے لیے۔

صبح کے درس میں حضرت مولانا تفسیر کے ساتھ ساتھ، مسائل حاضرہ سے اپنے خیالات کو مربوط کرنے کے عادی تھے اور دور دور نکل جاتے تھے تاہم بنیادی تفسیری معلومات عام فہم انداز میں دیے جاتے تھے۔ اس درس کا رنگ کم و بیش تبلیغی ہوتا تھا مگر اہلِ علم اس میں بھی بکثرت شریک ہوتے تھے اور سب کی متفقہ رائے تھی کہ جو لطف اس درس میں ملتا تھا وہ خالص علمی درس میں نہ ملتا تھا۔

شہر کے کالجوں کے اساتذہ اور عام تعلیم یافتہ حضرات ان درسوں میں بکثرت شریک ہوتے تھے اور ہر طرح مطمئن اور سیراب ہوتے۔

شام کے وقت انہیں میں سے کچھ منتخب لوگ علمی فیوض سے شاد کام ہوتے۔

اکثر لوگوں نے نوٹ بکیں رکھی ہوتی تھیں جن پہ نکات و معارف کی یادداشتیں لکھتے جاتے تھے

یہ بات بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ اس

قرآن مجید کی تفسیر کا یہ اسلوب دراصل حضرت شاہ ولی اللہ سے شروع ہُوا۔ جن کی کتاب الفوز الکبیر تفسیر کے رہنما اصولوں پر، ایک انقلاب انگیز کتاب ہے۔ تفسیر کے اسی انداز سے حضرت شاہ ولی اللہ کو علم اسرار الدین کی طرف توجہ ہوئی۔

یہ سلسلہ حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتا ہُوا مولانا عبید اللہ سندھیؒ تک پہنچا جن کے شاگردوں نے جن میں حضرت مولانا احمد علیؒ اور خواجہ عبدالحی فاروقی نمایاں ہیں۔ اس سلسلے کو آگے ترقی دی۔

اور ہندوستان میں سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے تو حد کر دی کہ قرآن مجید کو اپنی صداقت ثابت کرنے کے لیے مغربی خرافات کا پابند بنا دیا۔
اس کے علاوہ سرسید کا اندازِ نظر انگریزی استعمار کے مقابلے میں مفاہمتی بلکہ بعض صورتوں میں بے حد مصلحت کوشانہ تھا۔ اس لیے ان کی تفسیری و دینی کوششیں حمیت دینی کے لیے مضر ہی ثابت ہوئیں۔

صدی کے نصف اوّل میں مطالعہ قرآن کا ذوق پھیلانے میں حضرت مولانا رح نے حصّہ لیا اس میں کوئی دوسرا ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

حضرت مولانا رح کا طریقہ یہ تھا کہ سب سے پہلے آیت اور تین چار مربوط آیتوں کی تلاوت کرتے۔ اس کے بعد سیاق و سباق کا سلسلہ قائم کرتے اور یہ واضح کرتے کہ متعلقہ آیات کا سابقہ آیات سے باقاعدہ تعلق ہے، آیات سے متعلق واقعات کا تذکرہ فرماتے۔ اور بالآخر بصائر کے انداز میں معارف متعلقہ کا بیان فرماتے اور سب سے نمایاں بات یہ ہے کہ وہ ان بصائر کو مسلمانوں کی اجتماعی زندگی سے مربوط کر کے مسلمانوں کو ان مقاصد عظیمہ کے لیے تیار کرتے جو قرآن اور اسلام کی غایت ہے۔

وہ قرآن مجید کے نحوی و صرفی امتیازات کی طرف کم متوجہ ہوتے۔ اور بلاغت و اعجاز کا ذکر کرتے تو ضرور تھے مگر ان کی زیادہ توجّہ ان بلند انسانی و روحانی مسائل کی طرف ہوتی تھی جن سے امّتِ مسلمہ دو چار تھی۔

قرآن مجید کی تفسیر کا یہ اسلوب دراصل حضرت شاہ ولی اللہ رح سے شروع ہوا۔ جن کی کتاب "الفوز الکبیر" تفسیر کے رہنما اصولوں پر ایک انقلاب انگیز کتاب ہے۔

تفسیر کے اسی انداز سے حضرت شاہ ولی اللہ رح کو علم اسرار الدین کی طرف توجہ ہوئی۔

یہ سلسلہ حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتا ہوا مولانا عبید اللہ سندھی رح تک پہنچا۔ جن کے شاگردوں نے جن میں حضرت مولانا احمد علی رح اور خواجہ عبدالحئی فاروقی نمایاں ہیں۔ اس سلسلے کو آگے ترقی دی۔

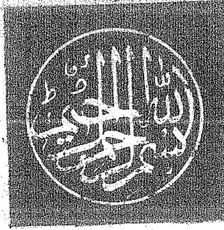
اس میں کچھ شبہ نہیں کہ مشہور مصری عالم اور محقق مفتی محمد عبدہٗ نے بھی تفسیر کے ایک اندازِ خاص کو رواج دیا۔ لیکن ان کے انداز کی یہ کمزوری کہیں نہ کہیں نمایاں ہو کے رہتی ہے کہ وہ مغربی علوم اور ان کی عقلی روح سے مرعوب نظر آتے ہیں اور ہندوستان میں سرسید احمد خاں اور ان کے رفقاء نے تو حد کر دی — کہ قرآن مجید کو اپنی صداقت ثابت کرنے کے لیے مغربی خرافات کا پابند بنا دیا۔

اس کے علاوہ سرسید کا اندازِ نظر، انگریزی استعمار کے مقابلے میں مفاہمتی بلکہ بعض صورتوں میں بے حد مصلحت کوشانہ تھا اس لیے ان کی تفسیری و دینی کوششیں حمیّتِ دینی کے لیے مضر ہی ثابت ہوئیں۔

مکتبِ دیوبند سے متعلق حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رح کا انداز سب سے جدا تھا۔ ان کی تفسیر قدیم اسلوب (بیان و صرف و نحو و بلاغت و اعجاز) کی توضیح پر زور دیتی تھی۔ لیکن مولانا عبید اللہ سندھی رح نے دو نصب العین سامنے رکھے۔ ایک تو اس مغالطے کی تردید کہ قرآن مجید کی آیتیں ربط و ترتیب سے خالی ہیں دوسرا نصب العین یہ کہ قرآن مجید ہر دور میں امتِ مسلمہ کی اجتماعی اور بین الاقوامی سیاسی مسائل و مشکلات کو حل کرنے پر قادر ہے۔ آزادی و حریت، شرفِ انسانی اور انسانیت کے جدید ترین معاملات میں بھی ایک زندہ اور ابدی و آفاقی دستور العمل ہے۔

اس موقعہ پر قدیم تفسیری اسالیب کی بحث شاید بے محل ہوگی۔ لیکن اتنا کہا جا سکتا ہے کہ جتنے قدیم نقلی و عقلی انداز تھے سب اپنی جگہ درست اور مفید تھے۔ اس کی ادبی و علمی تفسیریں بھی اپنی جگہ خوب ہیں۔ اور علامہ شاطبی (مصنف الموافقات) اور امام رازی رح وغیرہ کی خدمات بھی مسلّم ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ وہ اس دورِ پرفتن میں تفسیر کے سلسلے میں جو کام حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رح اور ان کے جانشینِ خاص حضرت مولانا احمد علی کر گئے ہیں وہ بے مثال ہے۔ خدا تعالیٰ انہیں غریقِ رحمت کرے۔

ہدیہ عقیدت
قاضی محمد زاہد الحسینی



دار الارشاد
کیمبل پور

دورِ حاضر کے عظیم مفسرِ قرآن کا طرزِ تفسیر و تاویل

قرآن عزیز نے سعادت مند انسانوں کی جو علامات بیان فرمائی ہیں ان میں سے ایک علامت وحی ربانی کا سننا بھی ہے جیسا کہ کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا :-

وَ اَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی (طٰہٰ ۱۳)

اور میں نے تجھے پسند کر لیا بس کان لگا اس کی طرف جس کی وحی کی جا رہی ہے۔

ارشاد بالا میں اس امر کی صراحت ہے کہ جس ذات سعید کو خداوند قدوس اپنے کلام کے سننے کا شرف بخشتے ہیں وہ بھی دربار خداوندی کا انعام یافتہ ہوتا ہے۔ ایسے خوش بختوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا :-

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَہٗ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ ھَدٰاھُمُ اللّٰہُ وَ اُولٰٓئِکَ ھُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۞ (الزمر ۱۸)

ترجمہ "پس آپ خوشخبری سنا دیجئے ان لوگوں کو جو بات سنتے ہیں پھر اس کے بہترین حکموں پر عمل کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کو راہ پر چلا دیا اللہ تعالیٰ نے اور یہی لوگ عقل والے ہیں"

وحی الٰہی سے بہتر اور برتر اور کون سا کلام ہو سکتا ہے؟ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَحْسَنُ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ (ترجمہ) "سب باتوں سے بہترین بات اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے"۔ اس احسن الحدیث کی دعوت بھی سب سے بہتر دعوت ہے۔ اور اس کا داعی بھی اللہ تعالیٰ بہترین متکلم ہے۔ ارشاد فرمایا۔

وَ مَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَ عَمِلَ صَالِحًا وَّ قَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ (حٰم السجدہ ۳۳)

ترجمہ: اور کون اچھا ہے اس سے جو بلائے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف اور نیک کام کرے اور کہے کہ میں فرماں برداروں میں سے ہوں"

چنانچہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت میں سے بہترین افراد، بہترین گروہ اور بہترین جماعت جس کو قرار دیا یہ وہی ہیں جن کا تعلق قرآن عزیز کے پڑھنے پڑھانے سننے سنانے سے ہے۔ ارشاد فرمایا :-

خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَ عَلَّمَہٗ ۔ (الحدیث)

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن عزیز کو سیکھے اور دوسروں کو سکھائے۔

اور یہ بہتری اور برتری اس لیے ہے کہ اس کتابِ ہدایت کی تعلیم اور تعلّم سے وہ نورِ ہدایت پھیلتا ہے کہ جس کی ضیا باریوں سے بھٹکے ہوئے لوگوں کو اپنی منزل صاف نظر آ جاتی ہے اور وہ اس کی برکت سے دونوں جہانوں کی سرفرازی سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔ ارشاد سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہے :-

اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّ یَضَعُ بِہٖ اٰخَرِیْنَ ۔ (الحدیث)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اس کتاب سے تعلق کی بنا پر

کچھ اقوام کو بلند فرما دیتے ہیں اور اس سے تعلق منقطع کرنے کی پاداش میں کچھ اقوام کو گرا دیتے ہیں۔"

ارشادِ عالی سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمانوں کا عروج و زوال کتاب عزیز سے وابستہ ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونے کا اثر اور نتیجہ سیادت اور اقوام عالم کی امامت ہے اور اس سے روگردانی کا نتیجہ ادبار اور ذلت ہے۔ اسی راہنما اصول کے پیشِ نظر جب انگریز کا منحوس سایہ برصغیر پر پڑنا شروع ہوا اور مسلمانوں کو قرآنی تعلیم سے روگردانی کی سزا غیر مسلم فرمانرواؤں کی غلامی کی شکل میں ملنی شروع ہوئی تو اس وقت ملت اسلامیہ کے نباضوں نے اس ادبار اور ذلت سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے اسی کتاب عزیز کی تعلیم و تعلّم، نشر و اشاعت کا عظیم بیڑہ اٹھایا اور انفرادی اجتماعی جدوجہد میں منہمک ہوگئے۔ اس سعادت مند گروہ میں سے ممتاز رکن شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قدس اللہ سرہ العزیز تھے جن کے قرآن عزیز سے والہانہ تعلق کو حضرت شیخ التفسیر کے شاگرد عزیز عالم اسلامی کے مایہ ناز مفکرِ اسلام مولانا ابوالحسن علی ندوی زید مجدھم نے اپنے الفاظ میں ادا کرتے ہوئے فرمایا:۔

"سب سے زیادہ مفید و مؤثر مولانا کی صحبت ان کی زاہدانہ اور مجاہدانہ زندگی، ان کا اخلاص، ان کا قرآن مجید سے والہانہ تعلق اور اس کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کا بے قرار جذبہ تھا۔ ان کو قرآن مجید کے درس و اشاعت کے بغیر چین نہیں آتا تھا اور وہ ان کے روح کی غذا اور درد کی دوا بن گیا تھا۔ ان کے نزدیک اس درس میں ناغہ کرنا گویا گناہ کبیرہ اور سخت کوتاہی تھی۔ میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ایک بچہ کا انتقال ہوا اس کی لاش گھر میں تھی لیکن اس دن بھی انہوں نے درس نہیں کیا۔ درس کے بعد حاضرین کو اس واقعہ کی اطلاع دی اور تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔" (پرانے چراغ ص ۱۵۱)

یہ عظیم جہاد اس وقت لائن سبحان خان کی چھوٹی سی مسجد سے اس وقت شروع ہوا جبکہ سارے برصغیر میں اس طریق اصلاح کی طرف بالکل توجہ نہ تھی۔ ساٹھ ستر سال پہلے کے نقشۂ برصغیر پر نظر ڈالنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کتاب حکیم کی نشر و اشاعت صرف حضرت شیخ التفسیرؒ ہی کا محبوب مشغلہ تھا۔ بالفاظ دیگر آج ہر مکتبۂ فکر کی مساجد اور اداروں میں جو درسِ قرآن عزیز کے روح پرور نغمے سنے جا رہے ہیں۔ یہ اسی مردِ حق آگاہ کی ارادی یا غیر ارادی تقلید ہے۔ جس کو اسلام اور مسلمانوں کا دشمن انگریز بیڑیاں پہنا کر لاہور لایا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ دہلی سے جو کہ مسلمان سلاطین کا دارالخلافہ رہا ہے جس میں شاہ ولی اللہ جیسے دردمند نے ملّت کو قعرِ مذلت سے نکالنے کے لیے درسِ قرآن عزیز اور ترجمہ قرآن مجید کی بنیاد رکھی ہے اگر جانشین ولی اللہ کو لاہور میں نظر بند کر دیا گیا تو یہ صور اسرافیل بند ہو جائے گا۔ مگر لَا یَحِیْقُ الْمَکْرُ السَّیِّئُ اِلَّا بِاَھْلِہٖ (فاطر ۴۳) کا اعجاز یوں ظاہر ہوا کہ لاہور ہی سے درس قرآن عزیز اور تفسیر کتاب اللہ کا وہ چشمہ جاری ہوا جو عرب و عجم کے مسلمانوں کی دینی سیرابی کا ذریعہ بن گیا۔ چنانچہ رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے حضرت قدس سرہ العزیز کے اس درسِ قرآن کو ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:۔

"كان المرحوم الامام احمد على قد نفى فى حركة من الحركات السياسية الى مدينة لاهور وحدد وقت اقامته بها وكان نزوله فى هذه المدينة خيرًا وبركة لاهلها فقد فتح الله من ذالك العهد اى من سنة ۱۳۳۶ھ درسا فى التفسير بعد صلوٰة المسجد صغير فى حيه فاجتمع عليه الناس وضاق بهم المسجد فاخذه احد محبيه الى منزله واستمر اقبال الناس على درسه حتى ضاق بهم المنزل فاختار جامعًا كبيرًا من جوامع حيه وبعد وفاته قام ابنه بالمهمة خير قيام وخصص وقتا من الصباح لتدريس المنتهين من المدارس العاليه فى التفسير" (مجلة الرابطة العالم الاسلامى ج ۲ ص ۹۴)

ترجمہ؛ اور مرحوم امام احمد علی سیاسی تحریک میں لاہور میں پابند کر دیے گئے تھے۔ مگر آپ کا لاہور تشریف لانا لاہوریوں کے لیے برکت کا باعث بن گیا۔ آپ نے ۱۳۳۶ھ (۱۹۱۷ء) سے

محلہ کی ایک چھوٹی سی مسجد میں بعد از نماز فجر قرآن کریم کا درس شروع کیا مگر دن بدن سامعین کی تعداد بڑھنے کی وجہ سے مسجد تنگ ہو گئی تو آپ کو آپ کا ایک معتقد اپنے گھر درس دینے کی سعادت حاصل کرنے لگا مگر لوگوں کے بے پناہ ہجوم اور توجہ سے یہ جگہ بھی تنگ محسوس ہونے لگی تو آپ نے اپنے ہی محلہ میں ایک بڑی مسجد میں اس کارِ خیر کو جاری کر دیا۔ جو آپ کی رحلت کے دن تک جاری رہا۔ آپ کی رحلت کے بعد آپ کے جانشین اس مقصدِ عظیم کو اچھے طریقہ پر جاری رکھے ہوئے ہیں۔ آپ نے فارغ التحصیل علماء کے لیے بھی ایک وقت مخصوص کر رکھا ہے۔"

خصوصیات درس و ترجمہ

جیسا کہ شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ مسلمانوں کی پستی کا واحد علاج تعلیماتِ قرآنیہ سے بہرہ ور ہونا ہے تاکہ عمل کی راہیں یقین کے ساتھ واضح نظر آ جائیں۔ اس لیے اس مقصدِ عظیم کے لیے ترجمہ اور تفسیر صرف تذکیر یا دینی مسائل پر مشتمل نہ ہو گی۔ بلکہ اس مقصدِ عظیم کے لیے تفسیر اور تاویل کا اندازِ بیان ایسا ہو جس سے دنیا و آخرت کی کامیابی اور کامرانی ہو۔ بالفاظ محدثِ کبیر علامہ انور شاہ قدس سرہٗ مبدء و معاد و معاش دونوں کو بیان کر رہا ہو۔ اس لیے حضرت شیخ التفسیر کے درس و ترجمہ میں اسی مقصدِ عظیم کو پیشِ نظر رکھا جو عنوان قائم فرمایا اس کا ماخذ اور طرزِ استدلال بھی بیان فرما دیا۔ غور و فکر سے آپ کے ترجمہ اور تفسیری حواشی اور مختصر الفاظ میں مذکورہ فوائد کا مطالعہ کرنے سے دریا بہ حباب اندر کا منظر سامنے آ جاتا ہے۔ آپ کا طرزِ بیان اور اندازِ تفسیر و تفہیم مطالب یہ ہے کہ ایک عنوان قائم فرما کر اس کے دلائل ان ہی آیات

یا اسی سورت سے پیش فرماتے ہیں اور حضرت رحمہ اللہ کا ذاتی طرزِ عمل نہیں بلکہ قرآنی تعلیمات کی روشنی میں ہے قرآن عزیز کا طرزِ بیان بھی یہی ہے کہ ایک دعویٰ بیان فرما کر اس کے دلائل بیان فرمائے جاتے ہیں۔ اس کی مثال صرف ایک ہی دی جاتی ہے:۔

قرآن عزیز نے سورہ بقرہ کی آیت ۱۶۳ میں توحید ذاتی اور توحید صفاتی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا —— وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰـهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ۔ اس دعویٰ پر دلیل عقلی یا دلیل آفاقی بیان کرتے ہوئے آیت ۱۶۴ ارشاد فرمائی جس کے آخر میں فرمایا کہ: لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ پھر آیت ۱۶۵ سے شرک کی تشخیص فرمائی اور اس کے اخروی خسارہ اور نقصان کو بیان فرمایا۔ جو کہ آیت ۱۶۷ تک جاری رہا۔ آیت ۱۶۸ میں شرک اور نافرمانی کے جذبات ابھارنے والی چیز یعنی اتباعِ شیطان کو بیان فرمایا۔ جس کا بڑا حصہ رزق پر ہوتا ہے جو کہ خیالات اور جذبات کا محرک ہے۔ علیٰ ہذا القیاس

قرآن کریم کا طریقۂ تفہیم مطالب نہایت وسیع ہے بلکہ اتنا ہی وسیع ہے جتنا کہ کلام اللہ وسیع ہے۔ اس لیے طاقتِ بشری کے مطابق ارشاداتِ قرآنی کی تفہیم مطالب کے لیے اسی طریقِ کار کو اختیار کرنا چاہیے جو کہ خود رب العالمین نے ارشاد فرمایا۔ حضرت شیخ التفسیر رحمۃ اللہ علیہ نے اسی اندازِ تفسیر و تاویل کو اختیار فرمایا۔ الفاظ نہایت ہی مختصر مگر مطالب بہت ہی طویل ہیں۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ اور طرزِ تفسیر کا ایک نمونہ یہاں درج کیا جاتا ہے۔ آپ نے قرآن عزیز کی پہلی سورۃ سورۂ فاتحہ کے مضامین کو چند الفاظ میں ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

خلاصہ: یہ سورت سارے قرآن حکیم کے مضامین
کا اجمالی نقشہ ہے۔ ماخذ۔ توحید آیت ۱-۲-
قیامت۔ آیت ۳۔ رسالت وغیرہ آیت ۶۔
برگزیدگان آیت ۶۔ مردودین آیت ۷۔

مندرجہ بالا دو سطروں میں شیخ التفسیرؒ نے ساری تعلیماتِ قرآنی کا خلاصہ بیان فرما دیا۔ جس کی تشریح کے لیے دفتر درکار ہے۔ اجمالاً عرض کیا جاتا ہے تاکہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے

طرزِ بیان اور جامعیتِ خطاب کا سرسری طور پر اندازہ لگایا جا سکے۔

سورہ فاتحہ سارے قرآن حکیم کا خلاصہ ہے۔ اس کی توضیح یوں کی جا سکتی ہے کہ قرآنی تعلیمات خواہ وہ مکی سورتوں میں ہوں یا مدنی سورتوں میں ہوں۔ دو طرح پر ہیں۔ عقائد اور احکام۔ عقائد کے ضمن میں اصولی عقاید چار ہیں۔ توحید، رسالت، ایمان بالیوم الآخر اور صداقت قرآن عزیز۔ ان اصولی عقائد سے جو اعمال ظاہر ہوں گے وہ اوامر اور نواہی ہیں۔ قرآن عزیز کے ہر خطاب کے بعد یا امر ہوگا یا نہی۔ اوامر پر عمل پیرا ہونے والا اور نواہی سے اجتناب کرنے والا برگزیدہ ہے اور غلط عقائد کو اپنا کر اوامر اور نواہی سے لاپرواہ ہو کر غیر انسانی زندگی اختیار کرنے والا مردود ہے۔

چنانچہ سورۃ فاتحہ کی آیت ۱ و ۲ میں توحید کامل کو بیان فرمایا۔ یعنی توحید ذاتی، توحید صفاتی، توحید افعالی — توحید ذاتی کلمہ اللہ میں بیان فرمائی اور توحید صفاتی اَلْحَمْدُ میں فرمائی۔ کہ سب صفتوں اور تعریفوں کا مستحق حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جیساکہ قرآن عزیز نے آیت ۳۶ سورہ الجاثیہ میں حصر کے ساتھ ارشاد فرمایا۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اور سورہ الروم آیت ۱۸ میں فرمایا ولہ الحمد فی السماوات والارض، توحید افعالی کلمہ رَبّ میں ارشاد فرمائی کہ تربیت کرنے والا آناً فاناً منزلۃً بعد منزلۃٍ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ کلمہ الرحمٰن الرحیم میں بھی توحید صفاتی فرما دی۔ کہ اس کی ربوبیت اور اس کا کائنات کو پورا کرنا، پالنا۔ سب اس کی رحمت کا اثر ہے۔ اس پر نہ تو کوئی جبر ہے اور نہ وہ اس امر کا مکلّف اور پابند ہے۔ اس توحید کے منکرین دہریہ اور فلاسفہ کا رَد فرمایا۔ اسلام کے دوسرے بنیادی عقیدہ قیامت کو آیت ۳ میں ارشاد فرمایا۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ۔ اس ایک کلمہ میں قیامت، قیامت کی حکمت اور اس دن کے فیصلہ کی نوعیت کو بیان فرمایا۔ یوم الدین میں قیامت کا عقیدہ ارشاد فرمایا کہ ایک دن ضرور آئے گا اس دن اعمال کا بدلہ دیا جائے گا — اسی اضافت میں قیامت کی حکمت کی طرف بھی لطیف اشارہ فرمایا کہ قیامت کی حکمت یہ ہے کہ اس دارِ دنیا میں بعض مطیع اور فرمانبردار اپنے نیک اعمال کا ثمرہ پورے طور پر نہیں پاتے اور اس کے برعکس بعض نافرمان، منکر، اپنے اعمال بد کے باوجود دنیاوی فوائد سے بہرہ ور ہیں۔ اس لیے ایک دن ایسا بھی آنا چاہیے کہ مطیع اور فرمانبردار اپنے اعمال حسنہ اور عقائد حقہ کی برکات سے بہرہ ور ہوں اور نافرمان سزایاب ہوں۔ اسی دن کو یوم الفصل بھی فرمایا۔ ملک کے کلمہ میں اس دن کے فیصلہ کی نوعیت بیان فرما دی کہ اس دن بھی اختیار سارے کا سارا اللہ تعالیٰ ہی کا ہوگا۔ جیسا کہ سورہ بقرہ آیت ۲۸۴ میں فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ اسی ملک کامل کو سورہ المومن آیت ۱۶ میں فرمایا۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ۖ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ۔

آیت ۴ میں رسالت وغیرہ کو بیان فرمایا۔ یعنی خداوند قدوس نے توحید کو سمجھانے اور اپنی رضا یا ناراضگی کے عقائد و اعمال کی نشاندہی کرنے کے لیے پاکیزہ نفوس کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے صراط مستقیم کو اپنے اقوال و اعمال سے واضح فرمایا اور وہ منعم علیہم قرار دیے گئے۔ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی تشریح سورہ النساء کی آیت ۶۹ میں فرما دی کہ رسالت کے پیغام اور دعوت کو لے کر جو طبقات یا گروہ انسانیت کی راہ نمائی کرتے ہیں وہ بھی برگزیدہ وجود ہیں۔ ارشاد فرمایا وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے منعم علیہم گروہ کو برگزیدگان کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ کہ جو دعوت انبیاء علیہم السلام کو قبول کر لیتے ہیں وہ خوش بخت اور سعید ہیں۔ اس کے برعکس جو دعوت کو قبول ہی نہیں کرتے یا کرنے کے بعد پھر اس کو رَد کر دیتے ہیں وہ دربار خداوندی سے مردود ہیں جیسا کہ یہود نے دعوتِ توحید اور دعوت انبیاء علیہم السلام کو قبول کرنے کا اقرار کیا مگر پھر عملی طور پر اس کو پس پشت

(باقی صــ ۲۴ پر)

حضرت شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوری نور اللہ مرقدہٗ

ایک عقیدت مند کے قلم سے

۱۷ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ کو ضلع گوجرانوالہ کے ایک نومسلم خاندان کے یہاں ایک بچہ پیدا ہوا جس کی پیدائش سے قبل ہی والدین نے نذر مانی تھی کہ اس بچہ کو خدمتِ دین کے لیے وقف کر دینا ہے۔ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا۔

پھر اس بچے نے والدین کے نیک ارادوں اور نیک تمناؤں کو جس طرح پورا کیا۔ اس کی شہادت چودھویں صدی کے سب سے بڑے خطیب امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ الباری نے یوں دی کہ "لوگو تم نے قرآن چھوڑ دیا اللہ نے سکھوں کے خاندان میں احمد علی کو پیدا کر دیا۔"

یہ نونہال جس کا نام والدین نے احمد علی تجویز کیا تھا آگے چل کر شیخ التفسیر، امیر العلماء اور قطب الاقطاب جیسے گرامی قدر القابات سے پکارا گیا۔ حتیٰ کہ آج ملت اسلامیہ کے ایک معتد بہ حصہ کے لیے شیخ التفسیر کا لفظ قلبی طمانیت و تسکین کا نشان و علم بن گیا ہے۔ سید مجاہدین اسیر مالٹا مولانا محمود حسن دیوبندی اور امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی رحمہما اللہ کی صحبت و تربیت نے اسے فرشِ خاک سے اٹھا کر اوجِ ثریا تک پہنچایا۔ بڑے بڑے علماء، صلحا، ادباء، وکلا اور پروفیسر حضرات اس کے اردگرد اس عقیدت مندانہ انداز میں بیٹھتے کہ بے ساختہ قربان ہونے کو جی چاہتا۔ حتیٰ کہ عالم اسلام کی عظیم یونیورسٹی مدرسہ عالیہ قاسمیہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب مدظلہم نے شیخ التفسیر کے حلقہ درس میں نیازمندانہ شرکت کی۔

وہ باخدا انسان جسے تحریک "ریشمی رومال" کے سلسلہ میں دلی سے گرفتار کیا گیا اور اس طرح کہ اس کا سارا اثاثہ ضبط کر لیا گیا حتیٰ کہ ایک نایاب تجارت گرد جو درحقیقت سی۔ آئی۔ ڈی کا مہرہ تھا کی نشاندہی پر سندات تک پر قبضہ کر لیا گیا اور پھر مختلف مقامات پر نظر بند رکھنے کے بعد لاہور میں رہنے کی اجازت دی اور اس طرح کہ دو آدمی ایک ایک ہزار روپیہ کی ضمانت دیں اور صاف کہا گیا کہ سندھ اور دلی میں گورنمنٹ آپ کو رہنے کی اجازت نہیں دے سکتی (اس لیے کہ ان علاقوں میں شیخ کا وسیع حلقہ تھا) اس مرحلہ پر وہ حیران ہے کہ کیا کرے انہوں نے لاہور میں کب قدم رکھا تھا کہ یہاں کسی سے شناسائی ہوتی وہ تو نظارۃ المعارف القرآنیہ میں اپنے شیوخ، شیخ الہند اور امام انقلاب کے حکم پر طلبہ کو قرآن حکیم کے انقلابی اصول سمجھانے پر مامور تھے۔ بڑی سوچ بچار کے بعد قسمت نے یاوری کی۔ اللہ نے ایک راستہ دکھلایا وہ یہ کہ اپنی اہلیہ کے چچازاد بھائی قاضی حافظ ضیاء الدین صاحب ایم اے فاضل دیوبند کا نام یاد آیا جو دلی میں نظارۃ المعارف القرآنیہ میں انگریزی لیکچرر کی حیثیت سے خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ ان سے جوں توں کر کے رابطہ قائم کیا۔ ان کے علاوہ یہ نووارد مسافر محمد مدنی صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا خادم، معلم قرآن و سنت۔ ترجمان فکر ولی اللہی دوسرا ضامن مہیا نہ کر سکا۔ جرم صرف یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ میرے آقا نے غلامی کی زندگی پر قناعت کی اجازت نہیں دی اسلیے میں اپنے آقا کے حکم کی تعمیل میں بزرگوں کے مشن کے مطابق برطانوی حکومت کے خلاف جہاد کروں گا اور ضرور! وقت بڑا نازک ہے۔ جنگِ عظیم کے ہولناک شعلے پوری دنیا کو جہنم کدہ بنائے ہوئے ہیں۔ ضمیر فروش اور بدطینت امراء خود سارے ملتِ اسلامیہ کی غلامی کی زنجیروں کو مضبوط تر کرنے کے لیے انگریز کے کیمپ میں مصروفِ کار ہیں۔ پیرانِ عظام اور علماء سوء کا ایک مخصوص طبقہ خلافت اسلامیہ کی پامالی اور انگریز فوج کی کامیابی کے لیے صاحب بہادر کو تعویز مہیا کر رہا ہے۔ خانہ ساز نبوتوں کے پجاری اپنی باطل نبوتوں کو انگریز کی کامیابی کے لیے جوا پر لگا چکے ہیں۔ لیکن شیخ الہند کا سچا خادم اور شاہ اسمٰعیل شہید کا روحانی فرزند مردانہ وار میدان میں کود پڑتا ہے۔ بڑی سے بڑی قربانی دینی پڑی اثاثہ لٹ گیا۔ مختلف مقامات کی نظر بندی کے بعد لاہور میں ضمانتوں پر رہنے کی اجازت مل سکی۔ اب یہاں کسی سے شناسائی نہیں۔ لیکن استاد محترم مولانا سندھی کا حکم بار بار کو ڈھیلے رہا ہے کہ بیٹا خدمتِ قرآن نہ چھوڑنا۔ وہ بصد مشکل دو آدمی تیار کرتے ہیں اور انہیں قرآن پڑھانا شروع کر دیتے ہیں۔ بات چل نکلی ان کی حق گوئی، امانت و دیانت اور خلوص و مروت کا شہرہ ہونے لگا حتیٰ کہ مختلف حلقے بن گئے اور بالآخر راہِ حق کے تھکے ہوئے مسافر کو بلاوا آ گیا۔ خالقِ حقیقی اپنے محبوب بندے کے وصال کے لیے حکم کر دیتے ہیں۔ رمضان المبارک کا مہینہ ہے جمعہ کا دن ہے۔ خطبہ کے لیے نکلے طبیعت بگڑ گئی۔ صاحب زادہ محترم کو خطبہ کی ذمہ داری سونپ دی۔ بالکل چل چلاؤ کا وقت ہے، نور باطن سے اپنا آخری وقت دیکھ چکے ہیں۔ اس جمعہ سے تین دن قبل اپنے خادم خصوصی حاجی محمد دین صاحب جن کے کارخانہ میں بیٹھ کر خطبہ لکھا کرتے تھے ان سے فرما چکے ہیں کہ اس کے بعد یہاں خطبہ لکھنے نہیں آؤں گا — ادھر لاہور کا ایک مجذوب اپنی زبان میں کچھ کہہ رہا ہے۔ لوگوں نے توجہ کی تو سنا کہ وہ کہتا ہے لوگو کون کہتا ہے کہ لاہور میں ایک سید علی ہجویری ہیں؟ آؤ تمہیں زندہ علی ہجویری دکھلاؤں۔ لیکن لاہوریو! اس کا آخری وقت قریب آ چکا ہے۔ حتیٰ کہ وہ وقت آ گیا جس سے

کسی کو چارہ نہیں۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ کُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ — کُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ وَّیَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ۔

موت سے آخر کوئی کفتا ہی ہو لاکھ باکمال
حی و قیوم اک فقط ہے ذات رب ذوالجلال

رفیق اعلیٰ سے وصال کی خبر دفعۃً لاہور سے نکل کر ملک میں پھیل گئی حتیٰ کہ مکہ معظمہ زادھا اللہ شرفاً و تعظیماً میں آپ کے خدام کو کسی نے کہا کہ شیخ کامل چل بسے ہیں آج تک کہنے والے کا پتہ نہ چل سکا۔ کراچی سے پشاور تک عشاق نے لاہور کے لیے رخت سفر باندھا کہ آخری بار شیخ کامل مرشد برحق کی زیارت کرلیں وہ جسے کل دوضامن تلاش کرنے میں تکلیف سہنا پڑتی تھی آج اعزاز سے رخصت ہو رہا ہے کہ ہر ایک یہی چاہتا ہے کاش یہ میرا جنازہ ہوتا۔

بچہ ناز رفتہ باشد زجہاں نیاز مندے
کہ بوقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

ہزاروں علماء و صلحاء، مجاذیب و اقطاب کے علاوہ کم و بیش دو لاکھ کے پرہجوم مجمع کے جلو میں اس کا نورانی چہرہ شگفتہ پھول کی طرح کھل رہا ہے اور متبسم انداز میں آواز آرہی ہے۔ شاید وہ کہہ رہے ہیں یا ہاتف غیبی کہ لاہور والو ہم رخصت ہو چلے اس کے بعد تم ہمیں اس دنیا میں نہ دیکھو گے یاد رکھو جی لگا کر نہ بیٹھ جانا کیونکہ

جگہ جی لگانے کی دنیا نہیں ہے
یہ عبرت کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

بلکہ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّكَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ (الحدیث) کے مطابق اپنے کو مسافر سمجھنا جو ذرا سستانے کے لیے بیٹھ گیا ہو۔ طیاری جاری رکھو کسی وقت بھی بلاوا آسکتا ہے۔ اور اس بلاوے میں بوڑھے جوان اور بچے کی کوئی تمیز نہیں۔ جب وقت آگیا دیر نہیں لگے گی۔

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ

اس عالم رنگ و بو کو آخری منزل سمجھ کر بے غم ہو کر بیٹھ نہ جانا اور اس کی دلربائیوں میں محو ہو کر عالم بقا سے غافل نہ ہو جانا۔ اصل منزل وہی ہے یہ تو محض دھوکے کی ٹٹی ہے اس منزل کی طیاری ضروری ہے۔

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

نالہائے آہ و بکا لاہور کے در و دیوار سے ٹکرا کر عرش الٰہی کو جا چھوتے ہیں حتیٰ کہ عرش الٰہی نے بھی محفل ماتم میں شرکت کرتے ہوئے آنسوؤں کی جھڑی بہانا شروع کردی بقول حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ "روایات میں ہے کہ مومن کے مرنے پر آسمان کا وہ دروازہ روتا ہے جس سے اس کی روزی اترتی تھی یا جس سے اس کا عمل صالح اوپر چڑھتا تھا اور زمین روتی ہے جہاں وہ نماز پڑھتا تھا یعنی افسوس وہ سعادت ہم سے چھن

بقیہ — (بقیہ از صفحہ ۲۵)

اقطاب وقت غم و اندوہ کی تصویر بنے جا رہے ہیں۔ حضرت رائے پوری رو رو کر نڈھال ہو رہے ہیں۔ مولانا درخواستی خود روتے ہیں۔ اور دوسروں کو رلاتے ہیں۔ قاضی احسان احمد بات کرتے ہیں تو سامعین کی چیخیں نکل جاتی ہیں۔

آہ! آج وہ دنیا سے رخصت ہو گئے جن کی زیارت سے دلوں کی میل صاف ہو جایا کرتی تھی۔ جن کی محفل کی برکت سے کتنے ہی بادہ نوش شب بیدار ہو گئے۔ وہ حسین و جمیل چہرہ، منحنی سا جسم، سفید لمبی داڑھی اور سر تا پا کھدر کے سفید کپڑے یا اللہ عجیب نورانیت ہے لیکن واحسرتا کہ شیخ آج ہمیں داغ مفارقت دے رہے ہیں۔ اسی عالم آہ و بکا میں صاحبزادہ محترم مولانا انور نے جنازہ پڑھایا اور شام کی افطاری سے چند منٹ قبل مولانا درخواستی، مولانا انور، حافظ حمید اللہ صاحب سمیت چند عقیدت مندوں نے قطب الاقطاب خواجہ غلام محمد دین پوری جن کی روحانیت کے پرتو کو حکیم الامت تھانوی جیسے مجدد وقت برداشت نہ کر سکے اور جنید وقت مولانا تاج محمود امروٹی جن سے تحریک خلافت میں مشورہ لینے کے لیے امام الہند مولانا آزاد جیسے حضرات حاضری دیا کرتے تھے کے مشترکہ نشانی کو سپرد لحد کر دیا۔ جب حضرت کو سپرد لحد کیا جا رہا تھا تو محسوس ہوتا تھا کہ کوئی غیبی طاقت لحد کو نصیحت کر رہی ہے کہ او آغوش لحد! دیکھنا کون سا گوہر تابدار آج تیرے سپرد کیا جا رہا ہے۔ یہ وہی شیخ التفسیر ہیں جن کے سانحہ ارتحال پر لاکھوں مسلمان حسرت و افسوس کے بار گراں تلے دبے جا رہے ہیں۔ دیکھنا یہ وہی ہیں جن پر شیخ الہند جیسے مجدد و کامل کو کامل اعتماد تھا۔ ہاں ہاں انھوں نے ہی پچاس سال تک جھونپڑیوں اور جیلوں سے لے کر محلوں اور مسجدوں تک میں اعلاء کلمۃ الحق کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ دیکھنا یہ عزیز امانت ہے اس کی حفاظت بڑی ضروری ہے اور شاید قبر نے بڑے جھوم جھوم کر اس نصیحت کو سنا اور پھر یوں جواب دیا۔ ایسے باخدا انسانوں کے لیے میں گہوارہ رحمت ہوں۔ روضۃ من ریاض الجنۃ ہوں۔ تم دیکھو گے میرے اندر کتنی وسعت ہو چکی ہے وہ دیکھو جنت کے دریچے کھل گئے کیسی بھینی بھینی خوشبو آرہی ہے۔ کیوں نہ ہو یہ باخدا انسان اسی اعزاز کا مستحق ہے اس نے بلاخوف لومۃ لائم پچاس سال قرآن پاک کا درس دیا اور سچ مچ نہ صرف لاہور والوں نے بلکہ بیرون دنیا بسنے والوں نے بھی بڑے تعجب سے یہ خبر سنی کہ شیخ التفسیر کے مزار اقدس سے خوشبو آرہی ہے لیکن اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں کیونکہ امیر المومنین فی الحدیث بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث رسول کی خدمت کی اس کے صلہ میں ان کے وصال کے بعد مزار سے ایسی خوشبوئیں اٹھیں جنہوں نے فضا کو معطر کر دیا کیا احمد علی نے حدیث پاک کی خدمت نہیں کی کہ اسے یہ اعزاز نہ ملتا؟ نہیں نہیں اس نے وہ خدمت کی جو کوئی نہ کر سکا۔ وصال سے صرف ۲۵ دن پہلے ۹ جنوری ۱۹۶۲ء کو دیال سنگھ کالج میں انجمن ثقافت اسلامیہ کے زیر اہتمام ہونے والے جلسہ میں اس نے وہ اعلان کیا کہ پورے ملک کے در و دیوار ہل گئے کہ خسرو پرویز ایرانی کا ہم نام آج اقوال النبی کو لغو قرار دے کر اپنے جہنمی ہونے کا اعلان کر رہا ہے۔

لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ وقت کی حکومت اس کی سرپرستی کر رہی ہے اور انکارِ حدیث کے فتنے کو جنم دیا جا رہا ہے شیخ نے وہاں ڈنکے کی چوٹ اعلان کیا اور صدارتی خطبہ میں فرمایا۔ کہ :

"یہاں بہت سی تقریریں ہوئیں لیکن کسی مقرر نے وہ بات نہیں کہی جو میں کہتا ہوں — میں کہتا ہوں کہ منکرِ حدیث منکرِ قرآن ہے اور منکرِ قرآن بے ایمان ہے"

پرویزیت کے قلعہ زدیر پر یہ ضرب اسی طرح پڑی کہ ہند و پاک کے علماء نے اس کے عقاید کی روشنی میں اس کے کفر کا فتویٰ دے دیا۔ اور پہلی صدی کے پرویز کی طرح چودھویں صدی کا پرویز بھی خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق ہو گیا۔ اس بابرکت محفل کے متعلق کوہستان لاہور کے وقائع نگار احسان بی اے نے اپنے تاثرات قلمبند کرتے ہوئے ۲۹ جنوری ۱۹۶۹ء کے شمارہ میں لکھا تھا کہ "اورنٹیل کالج لاہور کے دروازہ پر مجھے ایک بہت بڑا معمولی زرد رنگ کا پوسٹر نظر پڑا اور میں ٹھٹک گیا۔ پوسٹر میں اعلان کیا گیا تھا کہ انجمن ثقافتِ اسلامیہ دیال سنگھ کالج لاہور کے زیر اہتمام مولانا احمد علی امیر انجمن خدام الدین کی صدارت میں اطاعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت کے موضوع پر ملک کے اکابر علماء جلسہ سے خطاب فرمائیں گے۔ اس پوسٹر میں نہ تو دل نقل کفر کفر نباشد "محمدؐ کی کہانی خدا کی زبانی" جیسا کوئی ڈرامائی فقرہ تھا اور نہ ہی اس کے ڈیزائن کو فریب نظر بنانے کے لیے مختلف اور متضاد رنگوں سے فلمی پوسٹروں کی سی سج دھج بخشی گئی تھی معمولی زرد کاغذ پر سپاٹ اعلان چھاپ کر دیواروں اور دروازوں پر چسپاں کر دیا گیا تھا میں سیدھا دیال سنگھ کالج پہنچا کرسی صدارت پر مولانا احمد علی رونق افروز تھے۔ کریچی رنگ کا روئی کا لمبا کوٹ زیب تن تھا سر پر سفید ململی قلا ہی کی پٹی پگڑی کی طرح بندھی ہوئی تھی۔ لمبی سفید داڑھی سینے کو ڈھانپے ہوئے تھی۔ ہاتھ میں عصا اور آنکھوں میں خاص قسم کی چمک تھی سٹیج کے دائیں بائیں علماء کرام تشریف فرما تھے۔ طلباء اور مختلف خیال اور مختلف عادتوں کے اس کثیر انبوہ میں سے ڈھائی تین گھنٹے کسی کو سگریٹ سلگانے کی جرأت نہ ہوئی۔ کوئی مجلس میں سے اٹھ کر باہر نہیں گیا۔ سب پوری توجہ اور انہماک کے ساتھ علماء کے ارشادات سنتے رہے۔ نمازِ عصر کے لیے جلسہ ملتوی کر دیا گیا۔ کالج کے لان میں دری بچھا کر نماز کا انتظام کیا گیا۔ اذان دی گئی۔ کالج کے دوسرے کمروں میں بھی نمازیوں کا بہت بڑا ہجوم جمع ہو گیا تھا۔ طلباء اور کلین شیوڈ نوجوان جوق در جوق بڑے خشوع و خضوع کے ساتھ نماز میں شامل ہوئے۔ کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس قوم نے اپنے شعائر کو ترک کر دیا ہے یہ منظر اس منظر کی بہت بڑی ضد تھا جو گذشتہ سال اسی ہال میں پیش آیا۔ اس جلسہ میں عشاء کی اذان ہو رہی تھی۔ اکثر لوگ نماز پڑھنے کے لیے چلے گئے تھے اور "محمدؐ کی کہانی خدا کی زبانی" بیان کرنے والا اپنی خطابت کے جوہر دکھا رہا تھا۔ آج خطابت لپیٹ دی گئی۔ تقریریں بند کر دی گئیں۔ مائیکروفون کا منہ پھیر دیا گیا تھا۔ چھوٹے اور بڑے عالم اور جاہل، داڑھیوں والے اور داڑھی منڈے سب نے مل کر اس میدان میں صفیں بنائیں جہاں تنظیم، تربیت اور عمل کا پہلا سبق دیا جاتا ہے"

بہرحال اس خدمت حدیث کا نتیجہ کہ خیلا دنیا نے خوش نصیبی کہ یارو لوگوں نے لیباریٹریوں کے نیچے تجزیے کرے لیکن۔ یہاں نتیجہ لیباریٹریوں سے ماورا تھا۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

آپ صوفی کامل مرشد برحق عالم باعمل ہونے کے ساتھ ساتھ مردِ میدان بھی تھے جہاں خانقاہ کو آباد کیا اور ایسے وقت میں کہ اقتدار پرست پیر نظام خانقاہی کی تذلیل کا سبب بنے ہوئے تھے وہاں خلافت سے لے کر ہر قومی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ تحریک آزادیٔ وطن، تحریک خلافت، تحریک ہجرت افغانستان، تحریک ریشمی رومال اور پھر آخر میں تحریک ختم نبوت میں اس عزم و استقلال کے ساتھ حصہ لیا کہ آسمان کے ستارے قربان ہونے لگے اور بقول حضرت رائے پوری شیخ التفسیرؒ کا اس تحریک میں شامل ہونا ہی تحریک کی سب سے بڑی کامیابی تھی۔ مارشل لاء کا ڈنڈا سر پر تھا۔ لیگ کے حکمرانوں نے لاہور کو خونی دریا میں تبدیل کر دیا تھا۔ بڑے بڑے جغادری مضحکہ خیز بہانے تراش کر کے جان بچانے کی فکر میں تھے لیکن شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے الفاظ میں شیر الٰہ کا شیر گرجتا ہے اور مردانہ وار میدانِ عمل میں کود پڑتا ہے۔ اس موقع پر آغا شورش کاشمیری کا ایک اقتباس پڑھیئے وہ لکھتے ہیں "شیرانوالہ نے اسلام کی سربلندی کے لیے اور ملک کی آزادی کے لیے بارہا قید و بند کے شدائد کو برداشت کیا۔ قاضی احسان احمد مرحوم، کی روایت ہے کہ ختم نبوت کی تحریک میں جب وہ ملتان جیل کی ایک تاریک کوٹھڑی میں تھے تو تنگی کٹڑی کا گرد و غبار ان کے چہرے کو اور بھی پر رونق کر رہا تھا۔ ان کے ہونٹوں پر ایک ہی دعا رہتی تھی "میرے مولا تیرے اور تیرے محبوبؐ کے لیے جسم کیا جان بھی حاضر ہے۔ ہمیں اپنے راہ میں قربان ہونے کی توفیق دے فرمائیے جب تک ہم جئیں تیرے لیے جئیں اور جب مریں تو صرف تیری راہ پر مریں"۔ قاضی صاحبؒ کہتے ہیں کہیں ان کی کوٹھڑی کے پاس سے گذرتا تو معلوم ہوتا کہ اللہ کی بارگاہ میں سربسجود ہیں یا پھر چاندنی اس پیکر خاکی کے گرد ہالہ کیے ہوئے ہے"

افسوس اس کا ہے کہ اس وقت کے حکمرانوں نے سارقینِ ختم نبوت کے ساتھ ناجائز مراعات رکھتے ہوئے ملتِ اسلامیہ کے جذبات کو ٹھیس پہنچائی۔ لیکن اقتدار کے سہارے اس قسم کی حرکات غلط ہوتی ہیں اور سخت نقصان کا سبب بنتی ہیں — خداوند قدوس ہمیں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و ناموس کی حفاظت کی توفیق بخشے۔

حضرت اقدس لاہوریؒ نے ہر غلط طرز فکر کے خلاف سخت آواز بلند کی چودھویں صدی کی عظیم خطرناک تحریک یعنی "جماعت اسلامی" کے متعلق حضرت کی کوششوں ہی کا صدقہ ہے کہ آج ملتِ اسلامیہ اس اسلام کش تحریک سے آگاہ ہو کر الحذر الحذر کی صدا لگا رہی ہے۔ موجودہ ساری سعی مشکور میں شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ اور شیخ التفسیر مولانا لاہوریؒ برابر کے شریک ہیں۔ رحمہما اللہ تعالیٰ

آپ نے سکندر مرزا کے دورِ اقتدار میں اس کی غلط روش پر سخت تنقید کی جس

کی آپ کو بڑی مہنگی قیمت ادا کرنا پڑی لیکن ۔ ؎

جرم بڑھتا ہے یاں ہر سزا کے بعد

کے مصداق جذبہ اعلائے کلمۃ الحق میں زیادتی ہوتی چلی گئی جس کی جولانیوں کو اس وقت محسوس کیا گیا جب مارشل لاء کے دور میں عائلی قوانین کی سوغات سے قوم کو نوازا گیا تمام لیڈر اور پارٹیاں خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہی تھیں لیکن نظام العلماء (جمیعت علماء اسلام کا بدل) کے بوڑھے امیر نے دلی دروازہ کے باہر گرجتے ہوئے شیر کی طرح للکارا اور فرمایا کہ یہ سلسلہ قطعاً ناقابلِ برداشت ہے ہم امام احمد بن حنبلؒ کی سنت کو زندہ کریں گے، میری بوڑھی ہڈیاں اگر کسی کام آسکتی ہیں تو وہ حاضر ہیں۔

اس کے بعد بڑوں ”نے عائلی قوانین کو جس طرح مرتے مرتے بچایا وہ بڑی دکھی داستان ہے، خیر مایوسی کوئی نہیں انشاء اللہ باطل چت کر رہے گا۔ آپ نے جمیعت علماء اسلام کو حیاتِ نو بخشی، خود زندگی وقف کی، علماء و صلحا کو میدان میں نکالا۔ باطل و تجدد اور الحاد و ارتداد کے خلاف منظم آواز کی ضرورت و اہمیت بتلائی۔ جمیعت کی موجودہ کامیاب پالیسی اور بہتر کارکردگی اسی رجل رشید کی کوششوں کا صدقہ ہے، تاہم ابھی عشق کے سینکڑوں میدان باقی ہیں۔ جن کی تکمیل کے لیے شیخ کی بتلائی ہوئی راہ بالکل درست اور مستقیم ہے۔ اس لیے شیخ کے متوسلین پر ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ شیخ کی سب سے بڑی وراثت جمیعت علماء اسلام کے پروگرام کو زیادہ سے زیادہ پھیلائیں، جماعتی امور میں دلچسپی سے آگے بڑھیں۔ زمانہ کی نبض پر ہاتھ رکھتے ہوئے کام کریں، تب جا کر عقیدت و محبت کا حق ادا ہو گا۔ موجودہ بے چینی اور بے اطمینانی کا علاج اسی طرح ممکن ہے کہ جماعتی تنظیم کو مضبوط سے مضبوط تر کر کے امیر محترم کی بتلائی ہوئی راہ پر رواں دواں چلا جائے۔ قرآن و سنت کے کامل و مکمل نظام کی وسیع پیمانے پر تبلیغ کی جائے۔ اتحاد و اتفاق کی فضا پیدا کی جائے۔ نظم و ضبط کے مطابق ہر کام ہو۔ امیر محترم کی زندگی کا مطالعہ کر کے خود اپنے اندر دینی انقلاب لایا جائے۔ انشاء اللہ اس کے بعد سارے کام آسان ہو جائیں گے اور ملک کو امن و اماں کا گہوارہ بنانا ذرا مشکل نہ ہوگا اور دینی انقلاب کے لیے خود بخود راہ ہموار ہو جائے گی۔

شیخ کے یوم وصال پر یہ سطور قلم برداشتہ اسی جذبہ کے تحت لکھی گئیں۔ ادبی چاشنی ممکن ہے نہ ہو لیکن توفیق الٰہی کے صدقے لکھی گئی سطور کو اپنی نگاہ سے پڑھنے کی درخواست ہے خدا ان کے مزار اقدس پر بارانِ رحمت کی جھڑی جاری رکھے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

بقیہ: دورِ حاضر کا عظیم مفسرِ قرآن

ڈال دیا تو وہ غضب خداوندی کا شکار ہو گئے۔ ارشادِ قرآنی ہے:۔

اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (بقرہ ۱۰۰)

ترجمہ: کیا جب کبھی باندھیں گے کوئی قرار تو پھینک دے گی ایک جماعت ان میں سے اسے بلکہ ان میں اکثر یقین نہیں رکھتے۔

اسی طرح وہ لوگ بھی مردود ہیں جو ضآلّین ہیں اگرچہ تفسیر ماثورہ میں ان سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں مگر اس میں حصر نہیں۔ ہر وہ قوم اور فرد جو راہ راست سے بھٹک جائے یا راہ راست پر آنے کی طرف توجہ ہی نہ دے وہ مردود ہے۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان مختصر سے کلمات میں سارے قرآن عزیز کے مضامین اور ارشادات کا خلاصہ سمو دیا ہے۔ جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا ارشادِ گرامی ہے کہ:۔

”ساری تعلیمات قرآنی کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں ہے۔“

الغرض دورِ حاضر کے اس مفسرِ عظیم نے تقریباً نصف صدی کے قرآنیات کے مطالعہ کے بعد جو فوائد مرتب فرمائے ہیں ان کو سمجھ لینے کے بعد بفضلہ تعالیٰ تعلیماتِ قرآنی ان ہی حکمتوں کے ساتھ سمجھ میں آجاتی ہے۔ جن حکمتوں سے انسانی نجات وابستہ ہے ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ اگر توفیق ایزدی شامل حال رہی تو اپنے ناقص علم سے ان فوائد کو تشریح کے ساتھ بیان کیا جائے گا تاکہ تفسیر القرآن بالقرآن سے اہل اسلام کو قرآنی ہدایات سے بہرہ ور کیا جائے۔

وما ذالک علی اللہ بعزیز وباللہ التوفیق

دار العلوم لائلپور میں دورۂ حدیث

دار العلوم لائلپور عرصہ چودہ سال سے علوم دینیہ کی خدمت انجام دے رہا ہے۔ گزشتہ سال حفظِ قرآن کے اکیس ۲۱ طلبا اور دورہ حدیث کے گیارہ علماء فارغ ہوئے۔ دورہ حدیث کے لیے حسب سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القدیر صاحب (کیمبلپور) حضرت مولانا فیض علی شاہ صاحب (ہزارہ) اور حضرت مولانا جمال احمد صاحب (بنوں) کی خدمات حاصل ہیں۔ ان کے علاوہ سات جید علما اور آٹھ مشاق قرا بھی تقریباً تین سو طلبا کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہتے ہیں جملہ طلبا اور خاص کر دورہ کے طلبا کے قیام و طعام کپڑے علاج اور مناسب وظیفہ کا انتظام مدرسہ کے ذمہ ہے داخلہ ۱۰ شوال سے بیس شوال تک رہیگا۔

المعلن: (حضرت مولانا) مفتی زین العابدین صاحب مہتمم دار العلوم پیپلز کالونی نمبر ۲ لائلپور





ترتیب
ابن اسعد مدنی

○ پیدائش ۲ رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ بروز جمعہ بمقام قصبہ جلال منصل گکھڑ ضلع گوجرانوالہ

○ ابتدائی تعلیم: قرآن عزیز گھر پر والدہ محترمہ سے پڑھا۔ پھر اپنے قصبہ سے ایک میل کے فاصلہ پر واقع سعدآباد نامی قصبہ میں داخل کر دیئے گئے۔ اور جب والدین "باہو چک" آ گئے تو تعلیم قصبہ ٹونڈی کھجور والی کے سکول میں شروع کرا دی۔ بعد ازاں مولانا عبدالحق صاحب مرحوم خطیب گوجرانوالہ کے یہاں داخل کئے گئے۔ جہاں فارسی اور ابتدائی عربی تعلیم حاصل کی۔

○ چند ماہ بعد خوش قسمت والدین نے آپ کو دین اسلام کے لیے وقف کر کے مولانا عبیداللہ سندھی قدس سرہٗ کے سپرد کر دیا۔

○ حضرت سندھیؒ نے اپنے گھر (سیالکوٹ) سے سندھ جاتے ہوئے دین پور شریف چند روز قیام کیا۔ آپ ہمراہ تھے۔ عمر محض ۹ سال تھی۔ لیکن حضرت دینپوری قدس سرہٗ نے از خود بیعت فرما لیا (۱۸۹۵ء)

○ اس کے بعد حضرت سندھیؒ کے ہمراہ امروٹ شریف قیام رہا۔ وہیں مولانا سندھیؒ سے تعلیم حاصل کرتے رہے۔

○ ۱۳۱۹ھ میں مولانا سندھیؒ نے گوٹھ پیر جھنڈا سندھ میں "مدرسہ دارالرشاد" کی بنیاد رکھی تو آپ کو یہیں بلا لیا۔ یہیں تکمیل علم ہوئی۔ یہیں دستار بندی ہوئی۔ دستار بندی کرانے والے شیخ حسین ابن محسن انصاری یمنی رحمہ اللہ تعالیٰ تھے۔ (۱۳۲۶ھ)

○ اس کے بعد اسی مدرسہ میں پڑھانا شروع کر دیا۔

○ یہیں پہلی شادی مولانا سندھیؒ کی صاحبزادی صاحبہ سے ہوئی۔ سال بعد حسن نامی بچہ پیدا ہوا۔ لیکن سات دن بعد بچہ انتقال کر گیا۔ اور دوسرے دن آپ کی اہلیہ بھی انتقال کر گئیں۔

○ ۱۳۳۰ھ میں دارالعلوم دیوبند کی مسجد میں حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ نے آپ کا دوسرا نکاح مولانا ابو محمد احمد چکوالی قدس سرہٗ کی بچی سے کیا۔

○ ۱۹۰۹ء میں مولانا سندھیؒ نے دیوبند جا کر حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کے حکم سے جمعیۃ الانصار بنائی۔ ساتھ ہی "نظارۃ المعارف القرآنیہ" کی داغ بیل ڈالی۔ اس عرصہ میں گوٹھ پیر جھنڈا کے مدرسہ کے منتظم حضرت لاہوریؒ تھے۔

○ بعد میں حضرت سندھیؒ کے حکم سے نواب شاہ میں مدرسہ بنایا۔

○ اور جب نظارۃ المعارف القرآنیہ دہلی میں منتقل ہوا تو حضرت شیخ الہندؒ کے ایماء سے مولانا سندھیؒ نے آپ کو دہلی بلا لیا۔

○ دہلی قیام کے زمانہ میں مولانا سندھیؒ کے حکم سے تین حضرات نے آگرہ کا تبلیغی سفر کیا جس میں آپ بھی تھے۔ اس سفر میں خدا نے خوب برکت دی اور بڑا دینی نفع ہوا۔

○ اسی دوران بعض علی گڑھی حضرات کی خواہش پر مولانا سندھیؒ نے آپ کو علی گڑھ بھیج دیا لیکن یہ قیام صرف ایک ماہ رہا۔

○ اس پورے عرصہ میں امروٹ شریف اور دین پور شریف

کی حاضری رہی اور تکمیل اسباق کے بعد حضرت امروٹیؒ نے اجازت مرحمت فرما دی۔ بعد میں حضرت دین پوریؒ نے بھی اور بقول موجودہ حضرت دین پوری ہمارے بڑے حضرت نے حضرت آپ کو بھی مجاز قرار دیا تھا

○ ۱۹۱۵ء میں حضرت شیخ الہندؒ نے مولانا سندھیؒ کو کابل بھیجا تو دہلی کا سارا نظام آپ کے سپرد تھا۔

○ تحریک ریشمی رومال کے انکشاف کے بعد سب حضرات کے ساتھ آپ بھی گرفتار ہوگئے۔ اس گرفتاری کے دوران بعض قیمتی چیزیں پولیس نے سنبھال لیں جس میں آپ کی سندات تک تھیں۔

○ دہلی سے گرفتار کر کے آپ کو کچھ عرصہ دہلی حوالات میں رکھا۔ پھر شملہ لایا گیا۔ شملہ سے لاہور لایا گیا اور تھانہ لوکھا کے حوالات میں رکھا گیا۔ یہاں سے جالندھر لے جایا گیا اور کچھ دن وہاں رکھ کر راہوں (جالندھر) میں جیل میں بند کر دیا۔

○ سات دن بعد رہائی ہوگئی تو آپ کو لاہور لایا گیا اور فیصلہ ہوا کہ دو ضامن ایک ایک ہزار روپے کی ضمانت دیں تو آپ لاہور رہ سکتے ہیں۔ یہ ضامن آپ کی اہلیہ کے چچازاد حافظ ضیاء الدین صاحب تھے جبکہ دوسرے ملک لال خاں صاحب تھے۔ جن کا انتظام حافظ صاحب نے کیا تھا کہ حضرت ان کے سوا کسی کو نہ جانتے تھے۔

○ لاہور آتے ہی درس کی ابتدا کر دی کہ استاذ مکرم مولانا سندھیؒ سے وعدہ تھا کہ اشاعت قرآن کا سلسلہ برابر جاری رہے گا۔ اس درس کا سلسلہ پہلے مختلف مقامات پر رہا۔ بعد میں مسجد لائن سبحان خاں شیرانوالہ میں منتقل ہوگیا۔ اور تادم آخر یہیں رہا۔

○ ۱۹۱۷ء میں لاہور پہلی مرتبہ تشریف لائے۔ اس سال حج کا ارادہ کیا۔ حج کے ساتھ ہجرت کا پروگرام تھا لیکن قدرتی اسباب مانع ہوتے۔

○ حج سے واپس آئے تو خلافتی پروگرام کے پیش نظر کابل ہجرت کر کے چلے گئے۔ بعد میں مولانا سندھیؒ نے آپ کو واپس لاہور بھیج دیا۔

○ واپسی پر پھر درس کا سلسلہ شروع فرما دیا۔ ۱۹۲۲ء میں حکیم فیروز الدین صاحب کی تحریک پر انجمن خدام الدین کی داغ بیل ڈالی گئی۔

○ انجمن کے قیام کے بعد دو درس شروع ہوگئے۔ درس عام صبح کی نماز کے بعد، درس خاص مغرب کی نماز کے بعد تعلیم یافتہ لوگوں کے لیے۔

○ پہلا درس ۱۹۱۷ء سے تادم زیست حضرتؒ نے خود دیا۔ جبکہ دوسرا ۲۵ سال دے کر چھوڑ دیا اور آپ کی جگہ مولانا حبیب اللہ صاحب علیہ الرحمۃ مہاجر حرمین نے شروع کیا۔

○ حضرت کے انداز تفسیر کے مطابق تحریری کام کی تجویز ۱۹۲۵ء میں ہوئی اور آپ حسب تجویز دواہ تشریف لے گئے۔ جہاں یہ کام مکمل کیا اور ۱۹۲۷ء میں وہ مترجم ومحشی قرآن شائع ہوگیا۔

○ ۱۹۲۴ء میں انجمن کی نگرانی میں مدرسہ قاسم العلوم جاری ہوا۔ اس مدرسہ میں سالانہ نصاب کے علاوہ تفسیر کا سہ ماہی نصاب بھی شامل تھا۔ اسی سہ ماہی کورس کے لیے حضرت مدنیؒ طلبہ کو ترغیب دیتے تھے۔

○ قاسم العلوم کی ذاتی عمارت ۱۹۳۴ء میں بنی۔ مولانا شبیر احمد عثمانی مرحوم نے افتتاح کیا۔ اس سے پہلے عمارت کرایہ کی تھی۔ اس مدرسہ کے شعبہ جات درس نظامی، دورۂ تفسیر اور شعبہ حفظ و ناظرہ ہیں۔ ابتداء میں صنعتی شعبہ بھی تھا۔ لیکن بعد میں وہ بند کر دیا گیا۔

○ ۱۹۴۵ء میں مدرسۃ البنات بنایا جس میں ضروری تعلیم کے علاوہ امور خانہ داری کی مثالی تعلیم کا اہتمام ہے۔

○ ۱۳۲۵ھ میں شعبہ نشر و اشاعت قائم کیا گیا۔ اس شعبہ نے ۴۳ رسائل کا سیٹ شائع کیا۔ یہ رسائل اب تک ۱۵ لاکھ سے زائد تعداد میں مفت تقسیم ہو چکے ہیں جبکہ ۱۱ موضوعات پر انگریزی رسائل کی اشاعت کا تخمینہ ۵۰ ہزار سے زائد ہے۔

○ ۱۹۵۵ء میں ہفت روزہ خدام الدین کی ابتدا ہوئی۔ جس کا حلقہ ملک سے باہر بھی بہت وسیع ہے اور اس سے خلق خدا کو بہت فائدہ ہوا۔

○ بیعت کا سلسلہ بڑھ جانے کے بعد آپ نے مدرسہ

قاسم العلوم کے زیریں حصہ میں مجلس ذکر شروع کر دی۔ نیز آپ خدام سے ہفتہ وار رپورٹ لکھنے کا فرماتے تاکہ اندازہ ہو سکے کہ کتنی ترقی ہوئی۔

○ حضرتؒ کے خلفاء کی تعداد چوبیس ہے۔

○ حضرت ابتدا سے ہی انجمن حمایت اسلام کے رکن تھے۔ پھر ۱۹۳۳ء میں جنرل کونسل کے رکن مقرر ہوئے اور ۱۹۵۸ء میں نائب صدر مقرر ہوئے۔ اور یہ سلسلہ تازیست رہا۔

○ ۱۹۳۱ء میں میکلیگن انجینئرنگ کالج کے انگریز پرنسپل کی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے متعلق بدزبانی پر طلبہ کے احتجاج کی آپ نے بھرپور حمایت کی اور ان کا مؤثر طریق سے ساتھ دیا۔ حتیٰ کہ آپ گرفتار ہو گئے لیکن حکومت کو جھکنا پڑا۔

○ مودودی صاحب کی تحریک کے متعلق حضرتؒ کے جذبات بڑے شدید تھے اور آپ اس تحریک کو خلق خدا کے لیے مضر خیال کرتے۔ چنانچہ اس دیار میں جن بزرگوں کی محنت سے عام طور پر لوگ اس تحریک سے محفوظ رہے ان میں حضرتؒ کا اسم گرامی سر فہرست ہے۔

○ وصال سے ۲۵ دن پہلے ۲۹ جنوری ۱۹۶۲ء کو دیال سنگھ کالج میں فتنہ انکار حدیث کے علمبردار پرویز پر پہلی ضرب آپ ہی نے لگائی۔

○ ۱۹۵۳ء کی تحریک میں آپ نے قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ جیل میں آپ کو زہر تک دیا گیا اور بقول حضرت رائے پوریؒ آپ کا تحریک میں شامل ہونا ہی اصل کامیابی تھی۔

○ پاکستان بننے سے پہلے آپ جمعیۃ علماء ہند کے سٹیج پر کام کرتے رہے بعد میں خیال فرمایا کہ دیوبند کے دونوں حلقے (پاکستان کا حامی اور مخالف) مل کر کام کریں تاکہ ملک کو صحیح معنی میں اسلامی سٹیٹ بنایا جا سکے۔ اور ابتداء میں کوششیں بھی ہوئیں لیکن خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا تو اکتوبر ۱۹۵۶ء میں ملتان میں علماء کا اجتماع بلایا۔ جس کے داعی آپ تھے اور منتظم حضرت مولانا مفتی محمود! چنانچہ جمعیۃ علماء اسلام کے مؤسس ثانی کی حیثیت سے آپ امیر جماعت منتخب ہوئے۔

○ جمعیۃ کی سرگرمیوں کے لیے ۱۹۵۸ء میں ہفت روزہ ترجمان اسلام کا اہتمام کرایا جو اب تک جاری ہے۔

○ آزاد کشمیر میں مفتیوں کے تقرر اور اس نظام کو بہتر بنانے کے لیے آپ آزاد کشمیر حکومت کی دعوت پر وہاں گئے اور بھرپور کام کیا۔

○ ایوبی مارشل لاء کے بعد جمعیۃ علماء اسلام کا کام نظام العلماء کے نام سے ہوتا رہا۔ اور آپ اس کے سربراہ تھے۔

○ اسی دور جبر میں عائلی قوانین کے خلاف آپ کی قیادت میں منظم جد و جہد ہوئی۔ آپ کو بھی لاہور حدود میں کئی بار نظر بند کیا گیا۔

○ علم و عمل کا یہ عظیم پیکر، معرفت و روحانیت کا بحر ذخار، تحریک حریت کا قافلہ سالار ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء بروز جمعہ کو رات ۹½ بجے اپنے خالق حقیقی سے جا ملا۔ اور لطف یہ کہ مالک کا بلاوا اس وقت آیا جب نماز عشاء کی نیت باندھی اور سر سجدہ میں تھا۔ اس دن رمضان المبارک کی ۱۷ تاریخ تھی۔ (جس مناسبت سے یہ ایڈیشن پیش خدمت ہے)۔

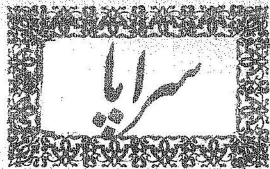
○ اگلے دن حضرت مولانا عبید اللہ انور نے عظیم باپ کی وصیت و نصیحت کے مطابق باقاعدہ درس دیا اور قرآن کھلتے ہی كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ پر نظر پڑی۔ ابھی حضرت کی تدفین عمل میں نہیں آئی تھی لیکن حکم تھا اس لیے اس حال میں بھی درس دیا۔

○ جنازہ اگلے دن مولانا انور نے پڑھایا۔ دو لاکھ کے لگ بھگ افراد نے جنازہ پڑھا۔ مولانا انور صاحب، مولانا حبیب اللہ صاحب مرحوم اور دوسرے حضرات نے قبر میں اتارا۔ قبر کی تیاری کے بعد آخری دعا حضرت درخواستی زید مجدھم نے فرمائی۔

○ اولاد میں حضرت حافظ حبیب اللہ صاحب فاضل دیوبند مہاجر مکہ و مدینہ سالہا سال حرمین شریفین میں اپنے اسلاف کے طرز پر درس دیتے رہے۔ اب انتقال فرما چکے ہیں۔

منجھلے صاحبزادے ہمارے مخدوم و مکرم مولانا عبید اللہ انور

(باقی صفحہ ۲۴ پر)



امام الاولیاء شیخ التفسیر حضرت مولانا اح

موزوں قد و قامت پھرتیلا ورزشی جسم کھلتی ہوئی گندمی رنگت فراخ پیشانی روشن سفید چمکیلی آنکھیں گول چہرے پر لمبی براق ڈاڑھی آواز میں نرمی دلنشینی اور تمکنت رفتار باوقار مشقت و ریاضت کے عادی پیراکی و نشانہ بازی میں طاق زود نویس اور خوش خط اجلے سپید کھدر میں ملبوس تکلفات سے بے نیاز سادگی و قناعت تقویٰ و طہارت کی قرون اولیٰ کی چلتی پھرتی تصویر سراپا زہد و عبادت اور مجسمۂ علم و عمل ہمہ وقت ذاکر و شاغل عامل سنت قاطع بدعت قانون وقت اور وعدہ کے انتہائی پابند کالجوں اور دینی مدارس کے طلباء سے قلبی لگاؤ اور یکساں محبت و شفقت طبعاً گوشہ نشین اور خلوت پسند سفر و حضر میں عقیدت مندوں مریدوں اور شاگردوں کے جھرمٹ میں ہمیشہ گھرے رہتے ماں باپ کی طرح مشفق و مہربان ہر کسی سے خندہ روئی اور لطف و مروت سے پیش آتے کثرت امراض اور عدیم الفرصتی کے باوصف پاک و ہند افغانستان و قبائل کا کوئی قابل ذکر مقام ایسا نہیں جہاں جا کر تبلیغ اور ذکر و فکر کی تلقین نہ کی ہو علی الخصوص سرحد و بلوچستان کراچی بہاولپور اندرون سندھ تو دم واپسیں تک انکی تبلیغی سرگرمیوں کا محور و مرکز رہے عربی و فارسی اردو پنجابی اور ٹھیٹھ سندھی زبان میں بے تکلف گفتگو تقریر کر کے مخالفوں کو گرویدہ بنا لیتے اور انگریزی تحریر و تقریر پر بھی قدرت رکھتے بری بحری اور فضائی راستوں سے چودہ بار مع اہل و عیال زیارت حرمین شریفین سے مستفیض و مشرف ہوئے متعدد زبانوں میں سینکڑوں کتابوں کے مترجم و مصنف و ناشر جن کی اشاعت لاکھوں تک پہنچی اور مشرق و مغرب میں لاکھوں کی اصلاح و ہدایت کا باعث بنی قرآن حکیم کا سندھی اردو ترجمہ و تفسیر اور احادیث نبوی کے تراجم و تشریح زیادہ مشہور و مقبول ہوئے انگریزی میں "دی ویکلی اسلام انٹرنیشنل" گزشتہ جنگ عظیم تک جاری رہا جس میں علامہ اقبال سب سے زیادہ دلچسپی لیتے تھے

…د علی رحمۃ اللہ علیہ لاہوری

دریا بہ حباب اندر

برطانوی دور میں اسی کی جبری بندش کے بعد ہفتگی "خدام الدین" اور "ترجمان اسلام" جاری کئے جنہوں نے
تبلیغی و سیاسی معرکے سر کئے اور انشاءاللہ قیامت تک یہ سلسلے اسلام اور اسکی شوکت و عظمت کے
ڈنکے بجاتے رہیں گے اور یہ ہیں ہمارے ملک کی عظیم دینی و سیاسی شخصیت اور ہمارے محبوب
روحانی مرشد و قائد شیخ الاسلام امام الاولیاء حضرت مولانا احمد علی رح مفسر قرآن لاہوری جو اعلاء کلمۃ
الحق اور اسلام کے لئے زندہ رہے اور خدا کی آخری عظیم و مقدس کتاب قرآن پر سو جان سے نثار ہو گئے جنہوں نے امام انقلاب مولانا عبید اللہ سندھی شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رح سے اکتساب علم
کیا اور ایک جہاں کو قرآنی علم و حکمت سے فیض یاب کیا جنہوں نے حضرت دینپوری حضرت امروٹی کے
دست حق پرست پر بیعت جہاد کی اور منصب خلافت و امامت پر فائز ہوئے جو الحب للہ والبغض
فی اللہ کی اس دور میں زندہ مثال تھے جنہوں نے تحریک ہجرت و ریشمی رومال تحریک آزادی و استخلاص وطن
کشمیر ایجی ٹیشن اور عقیدہ تحفظ ختم نبوت کی خاطر جوانی کا بہترین حصہ جیل ریل اور نظر بندی کی نذر کر دیا اور
جن کے شیخ الاسلام سید حسین احمد مدنی شاہ عبد القادر رائپوری محدث اعظم بخاری عصر علامہ انور شاہ کاشمیری
حضرت مولانا محمد صادق کراچی مفتی کفایت اللہ حکیم اجمل خان امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری اور مولانا سید محمد داؤد غزنوی
سے فکری اور عملی تعلقات تھے اور ناموس رسالت کی حفاظت و صیانت کی لگن سے باہم مربوط تھے اور ہم منتسب
ہم لواحقین حق تعالیٰ ان یاران حق حریت اور حاملین دین متین اور ان کے نام لیواؤں پر ہمیشہ اپنی رحمتوں کی بارشیں برساتا رہا فرمائیں

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

اخو عبید اللہ انور

محمود عارف لاہور

روزہ روحانی کمالات کا زینہ ہے

مادی عالم میں کمالات حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ آپ مصائب سے دوچار ہوں۔ ادنیٰ سے ادنیٰ معاملے میں بھی آپ کو ترقی اس وقت تک نہیں مل سکتی جب تک کہ آپ جانگداز لمحات سے نہ گزرے ہوں فوجیوں کو ان کے عہدے ملنے سے پہلے، جان لیوا ٹریننگ کے تمام مراحل طے کرنے ہوتے ہیں۔ انہیں بھوک، پیاس، سخت مشقت سے گزارا جاتا ہے، تب کہیں وہ "فوجی" کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔ لیفٹیننٹ، کرنل کیپٹن وغیرہ کے عہدے اور مناصب صرف انہی کو دیئے جاتے ہیں، جو اپنی تربیت کی جان سوز کیفیتیں۔ خندہ پیشانی سے برداشت کر چکے ہوں جو بھوکے بھی رہے ہوں۔ جنہوں نے پیاس بھی برداشت کی ہو۔ اور جو دوسرے جسمانی و ذہنی امتحانوں میں کامیابی کے نمبر حاصل کر چکے ہوں یہ حالت صرف فوج تک ہی محدود نہیں۔ بلکہ سول کے عہدے اور مقامات بھی، جہد و مشقت، طلب و جستجو سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ ڈاکٹریٹ کی ڈگری اور سند اسی کو دی جاتی ہے جس نے سالہا سال تک مسلسل اپنی آرزؤں کا خون کیا ہوگا۔ گریجویٹ صرف وہی بنتا ہے جو ایک لگن اور جستجو کے ساتھ اس منزل کے لئے رات دن گرم سفر رہا ہو۔

یہ تو عہدوں اور منصبوں کی بات ہوئی اس سے بھی ایک قدم آگے دیکھیئے کہ آپ زندگی کے کسی میدان میں بھی کامیابی و کامرانی سے اس وقت تک ہم کنار نہیں ہو سکتے جب تک کہ آپ اولالعزمی، ولولہ انگیز استقامت صبر آزما حوصلہ مندی کا ثبوت نہیں دیں۔ دوکاندار اپنی دوکان کو اسی وقت ہی چلا سکتا ہے جب کہ وہ گاہکوں اور خریداروں کی تلخ و شیریں سننے کا عادی ہو جائے۔ تاجر اپنی تجارت کے باب کو اسی وقت شرمندۂ تکمیل کر سکے گا کہ جب وہ اس راہ میں پیش آنے والی مصیبتیں سہنے اور برداشت کرنے کا خوگر ہو چکا ہوگا جو مزدور دھوپ، سخت گرمی، میں کام نہ کر سکے تو کیا اسے کوئی اجرت دینے کے لئے تیار ہوگا۔

روحانی دنیا اور اس کے عہدے

جب مادی اور ظاہری کائنات کی یہ حالت ہے کہ اس کے پرستاروں کو چھوٹی سے چھوٹی اسامی، بھی بغیر محنت اور مشقت کے حاصل نہیں ہو سکتی، ادنیٰ سے ادنیٰ عہدہ بھی بلا سعی و جہد کے نہیں مل سکتا۔ تو روحانی دنیا، جو اپنی بے پناہ لطافتوں اور بوقلموں رعنائیوں سے مادی عالم پر ہزار درجے فوقیت رکھتی ہے، کس طرح اس اصول اور فارمولے ([illegible]) سے قطع نظر کرتے ہوئے ہر اس شخص کو حاصل ہو سکتی ہے جو اس کو حاصل کرنے کے لئے کوئی جنبش اور حرکت نہیں کرتا۔ اور جو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے محض مستقبل کی خوش خیالیوں میں ڈوبا ہوا ہے اور جو مستقبل کی اس عظیم زندگی کو اپنی کاہلی اور سستی سے حاصل کرنے کا امیدوار ہو تو کیا ایسے کاہل، سست آدمی کو کوئی سا منصب اور مقام حاصل ہو سکے گا؟ کیا اس کے لئے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ عہدے پر فائز ہونا ممکن ہوگا؟ یقیناً ایسا نہیں۔ بلکہ جس طرح دنیاوی کمالات حاصل کرنے کے لئے ناگزیر ہے کہ آپ مصائب کے راستوں سے گزرے ہوں۔ اسی طرح روحانی منصب اور مقامات بھی صرف انہی کے دست کرم پر نچھاور کئے جاتے ہیں، جو اس کو حاصل کرنے کی لگن اپنے پہلو میں رکھتے ہوں۔ اور جن کے دل میں اس مقام کو لینے کی تڑپ ہو۔ اور وہ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہر قسم کے مصائب اور ہر طرح کے خطرات سے دوچار ہوئے ہوں۔ مصائب کی آندھیاں ان کے افقوں پر چھائی ہوں، تکلیفوں اور اذیتوں کی بجلیاں ان کے خرمن کو جلا چکی ہوں، پہاڑوں کی سی ناقابل عبور مشکلات ان کے راستے میں حائل ہو چکی ہوں، خطرات کے سمندر بھی وہ اپنے عزم و ارادے کے بل پر عبور کر چکے ہوں۔ غموں کے ہولناک اور وحشت ناک صحرا بھی انہیں روکنے میں ناکام رہے ہوں۔ وہ اپنے فولادی عزم اور اپنے آہنی ارادے سے راستے کی ہر چٹان کو پگھلا چکے ہوں۔ ان کے سینے کی حرارت اور ان کے عشق کی تپش سے سفر کی ہر مشکل پانی بن کر بہہ چکی ہو ..... ان چکیوں میں پسنے اور ان ابتلاؤ آزمائش کی جانگداز کیفیتوں سے عبور حاصل کر لینے کے بعد ہی۔ انہیں روحانیت کا کوئی مقام عطا ہوتا ہے یعنی:

در رہ منزل لیلیٰ خطرہاست بجاں
شرطِ اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

ہدایت کے ازلی و ابدی پیغام، قرآن مجید میں اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا گیا ہے

"کیا لوگوں نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ ان کے اقرار "ایمان" کے بعد انہیں آزمائش میں نہ ڈالا جائے گا۔ حالانکہ ہم تو ان سے پہلے کے لوگوں کو آزما چکے ہیں۔ اور یہ اسلئے (تاکہ دعوائے ایمان میں) سچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز ہو جائے" (عنکبوت ۲، ۳)

دوسرے مقام پر اس طرح ارشاد ہے۔

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور حالانکہ ابھی اللہ نے نہیں جانا (امتیاز نہیں کیا) کہ تم میں سے کون اس کے لئے کوشش کرنے والے ہیں اور کون استقلال کے ساتھ اسی راہ پر ڈٹے رہنے والے ہیں" آل عمران ۱۴۲

اس راہ پر چلنے والے کیسے کیسے خطرات سے دوچار ہوتے ہیں۔ ان کے متعلق ارشاد ہے۔ کیا تم نے یہ گمان کر رکھا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ ابھی تمہارے حالات ان لوگوں کی مانند نہیں ہوئے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں کہ جنہیں مالی و بدنی پریشانیوں سے دوچار کیا گیا اور وہ اس قدر ہلائے گئے کہ وہ پکار اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی، خبردار ہو جاؤ۔ اللہ کی مدد تو قریب ہی ہے" البقرہ ۲۱۴

اس حقیقت کو ایک بار ہی نہیں کئی بار مختلف انداز، مختلف پہلوؤں سے ذہن نشین کیا گیا ہے کہ: اس راہ کی کامیابی و کامرانی صرف انہی کا مقدر ہے کہ جو جاں فروشی و جاں نثاری کا عزم مصمم لے کر اس میدان میں عواقب انجام سے بے پروا ہو کر کود پڑے یہ راہ عشق صرف وہی سر کر سکتے ہیں کہ جن کے حوصلے اور ولولے کی آگ سے ہر چٹان پگھل جائے یعنی؛

کیف الوصول الی سعاد ودونھا قلل الجبال و
ودونھن حتوف

اور جس طرح دنیا کی حکومتیں اپنی مملکت کی سرحدوں کا دفاع کرنے والی فوج کی تیاری میں کسی قسم کی رو رعایت نہیں کرتیں۔ اسی طرح رب ذوالجلال بھی اپنے جانباز فورس (حزب اللہ)[۱] کو تیار کرنے میں کسی قسم کی نرمی سے کام نہیں لیتے بلکہ انہیں قدرتی اور مصنوعی دونوں طریقوں سے آزماتے ہیں۔ انہیں کبھی آتش نمرود کے کھولتے ہوئے لاوے میں ڈالا جاتا ہے[۱]۔ اور کبھی فرعون جیسے جابر و ظالم بادشاہ کے دربار میں اس کا بے پناہ ظلم سہنے اور برداشت کرنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا[۲] ہے۔ کبھی ایوبؑ کے بدن میں کیڑے ڈال کر اس کے صبر و شکیب کا امتحان لیا جاتا ہے اور کبھی اسماعیلؑ کے گلے پر چھری رکھ کر اس کے اذعان و یقین کا تماشا کیا جاتا ہے۔ کبھی طائف کے میدان میں اپنے حبیب کو ابتلاء و آزمائش سے دوچار کیا جاتا[۳] ہے۔ اور کبھی احد کی وادی میں مجروح و مغموم کر کے .... اس کے دل کی کائنات کو کھنگالا جاتا ہے۔ (ولیمحص اللہ الذین امنوا) آل عمران ۱۴۱

ان تمام مراحل سے، جب کوئی گزر جائے۔ تو پھر وہ کندن ہے۔ وہ خالص سونا ہے۔ اس کی قیمت بھی پھر اسی قدر بڑھ جاتی ہے۔ غالب نے سچ ہی کہا ہے۔

یہ شہادت گہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

روزہ۔ بھی ایک آزمائش ہے

رمضان المبارک کے سالانہ روزے بھی اسی مبارک اور مقدس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ یہ ایک سالانہ امتحان جو ہر بالغ شخص پر خواہ وہ مرد ہو یا عورت (بشرطیکہ مسلمان ہوں) پاس کرنا ضروری اور لازمی ہے اس میں شرکت ہر اس شخص کے لئے ضروری ہے جس نے اس بورڈ میں داخلہ لے رکھا ہو (مسلمان ہو) اور جس طرح میٹریکولیشن کا امتحان دیئے بغیر کوئی شخص میٹرک پاس نہیں ہو سکتا۔ گریجویشن کا امتحان پاس کئے بغیر گریجویٹ نہیں کہلا سکتا۔ اسی طرح اس امتحان میں شرکت اور کامیابی کے بغیر کوئی بھی شخص مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں ہو سکتا اسے مسلم کی ڈگری اور سند بھلا کیسے حاصل ہو گی کہ جس نے اس کا امتحان ہی پاس ([illegible]) نہیں کیا، جس طرح ایک ڈاکٹر کا دعوائے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کئے بغیر لغو اور بیہودہ، بلکہ بعض اوقات سنگین جرم ہوتا ہے اسی طرح کسی بھی شخص کا دعوائے کہ وہ مسلمان ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت پر کامل ایمان رکھتا ہے۔ صحیح نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ وہ ابتلاء و آزمائش کے یہ مرحلے بخیر و خوبی طے نہیں کر لیتا۔ اور یہ امتحان مبتدی سے بھی لیا جاتا ہے اور منتہی سے بھی، اس سے بھی جو اپنی منزل پر پہنچنے کے قریب ہو۔ اور اس سے بھی جو ابھی رخت سفر باندھ کر گرم سفر ہوا ہو۔ اس سے بھی جو اس راستے

۱۔ مجادلہ (۲۲)

[۱] قصہ ابراہیم وغیرہ [۲] فرعون اور اسکے مومن جادوگر [۳] آنحضرت صلعم علیہ وسلم اور مشرکین عرب

کا پرانا راہی ہونے کی وجہ سے "رسوخ فی الدین" کا مقام حاصل کر چکا ہو اور اس سے بھی، جو ابھی اپنی ناپختہ کاریوں کے ہاتھوں ساحل کے قرب و جوار ہی میں ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہو، عورت سے بھی، اور مرد سے بھی، جوان سے بھی اور بوڑھے سے بھی۔ مسلمانوں کے ہر فرد سے، اس امتحان کا مطالبہ ہے (یا ایہا الذین اٰمنو کتب علیکم الصیام البقرۃ ۱۸۳)۔

اور یہ ایک ایسا امتحان ہے جو جسم کے ہر ہر حصے ہر ہر عضو سے لیا جاتا ہے پیٹ سے بھی، فرج سے بھی، آنکھوں سے بھی، کانوں سے بھی، دل سے بھی خیالات و تصورات سے بھی، اور ہر اس چیز سے کہ جس کا بدن سے کسی نہ کسی طرح سے تعلق ہو۔ یہ امتحان لیا جاتا ہے۔

پیٹ کا امتحان یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم پر اپنی بھوک اور پیاس کو برداشت کرے، نگاہ کا امتحان یہ ہے کہ وہ بری جگہ پڑنے سے رکی رہے، کان کا امتحان یہ ہے، کہ وہ بری اور فحش باتوں کے سماع سے باز رہے۔ دل کا امتحان یہ ہے کہ وہ کسی برے ارادے اور برے عزم کو اپنے اندر گھسنے نہ دے

(کما ورد فی الحدیث) المشکوٰۃ ۔ کتاب الصوم)

اور جس طرح امتحانوں کی غرض وغایت یہ ہوتی ہے کہ شریک طلبہ میں زیادہ سے زیادہ صلاحیت، اور استعداد پیدا ہو سکے۔ اسی طرح اس امتحان سے بھی مقصود اصلی یہ ہے کہ ہمارے اندر۔ برائی سے رکنے اور فحش کاموں سے احتراز کا وہ قوی جذبہ اور داعیہ پیدا ہو جائے جو ہمیں ہر لمحے برائی اور فحاشی کے ارتکاب سے باز رکھے، ہمارے اندر برائی کی مدافعت کا وہ شدید جذبہ ابھر آئے جو ہمیں ہر اٹھے سے آڑے وقت میں بھی، شر و فساد برپا کرنے سے مانع بن سکے! یہی وہ جذبہ اور قوت ہے جو اس امتحان کی اصلی غرض وغایت ہے[1]۔ (لعلکم تتقون البقرہ آیت ۱۸۳) جسے قرآن کریم کی اصطلاح میں تقویٰ کہا جاتا ہے۔

اور پھر برائی سے احتراز کا یہ جاشہ جس قدر قوی اور شدید ہوگا۔ اسی قدر اس کے امتحان میں کامیابی کے نتائج عمدہ ہوں گے۔

اس لحاظ سے سوچیے، تو آپ کو نظر آئے گا کہ روزہ ___ یہ بھوک پیاس کا مرکب، روحانی کمالات کے حاصل کرنے کا سب سے بہترین اور سب سے عمدہ ذریعہ ہے یہ اس قدر سرعت اور تیزی کے ساتھ۔ انسان کو قرب خداوندی سے ہم کنار کر دیتا ہے کہ اس سے بہتر شاید ہی کوئی دوسرا ذریعہ، فوری اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتا ہو۔

تو گویا رمضان المبارک کی ہر ہر ساعت، ہر ہر لمحہ اور ہر دن اور ہر رات وہ مسلسل امتحان ہے کہ جو ایک طرح اپنے پہلو میں انعامی بانڈ رکھتا ہے اور دوسری طرف ___ ناکامی یا عدم شرکت کے طفیل ___ تلخ، اور برے مستقبل سے بھی ہمیں دوچار کر سکتا ہے۔

اب یہ ہماری اپنی مرضی پہ منحصر ہے کہ ہم رمضان المبارک کے اس عظیم امتحان میں شرکت کر کے اپنے لئے۔ روشن اور تابناک مستقبل کی ضمانت حاصل کرتے ہیں۔ یا یہ کہ ہم۔ بہت گھٹیا اور چند روزہ عیش و عشرت کے پیچھے پڑ کر ___ اپنے مستقبل کے چہرے کو ہمیشہ کے لئے داغدار کرنے کا، باعث بنتے ہیں۔

اس ماہ مبارک میں رحمت خداوندی گویا یہ اعلان کر رہی ہوتی ہے

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے کوئی راہ رو منزل ہی نہیں

اس سے بڑھ کر شقاوت اور بدبختی کیا ہوگی۔ کہ اس رحمتوں کے مہینے میں بھی، اپنے آپ کو۔ اس عظیم منفعت، اس دائمی اور ابدی فائدے کے حصول سے باز رکھا جائے جو ہمیں تھوڑی سی مشقت اور محنت سے حاصل ہو سکتا ہے۔

---

[1] من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ۔ (بخاری کتاب الصوم)

بقیہ: حضرت لاہوریؒ

ہیں۔ جو آپ کے علمی، عملی، روحانی اور سیاسی جانشین ہیں۔

۱۹ مارچ ۱۹۶۲ء کو آپ کو موجودہ حضرت دین پوری میاں عبدالہادی صاحب مدظلہم نے پگڑی بندھوائی مولانا حافظ حمید اللہ صاحبؒ چھوٹے صاحبزادے تھے۔ عالم، فاضل، تقویٰ و طہارت کی مجسم تصویر ___ انتقال فرما چکے ہیں۔ مولانا انور سے ایک صاحبزادے بڑے تھے ان کا نام بھی عبید اللہ تھا۔ وہ فوت ہو گیا جبکہ پہلی اہلیہ کے بچے حسن تھے جو فوت ہو گئے ___ پانچ صاحبزادیاں تھیں۔

علاوہ ازیں مدرسہ قاسم العلوم، مدرسۃ البنات، چھ مساجد، رسالہ خدام الدین، ساٹھ کے قریب مطبوعات، ترجمہ قرآن لفظی مع تفسیر و حاشیہ، ہفت روزہ ترجمان اسلام اور جمعیۃ علماء اسلام کی موجودہ تنظیم بھی حضرت کی باقیات میں سے ہیں۔

نور اللہ تعالیٰ مرقدہ وتغمدہ اللہ بغفرانہ۔

نوٹ: اس خاکہ میں سنین کے اعتبار سے ترتیب کا زیادہ لحاظ نہیں رکھا گیا۔

حضرت شیخ التفسیر کا منہاج درس تفسیر

مفکر اسلام علامہ خالد محمود ایم اے پی ایچ ڈی، فاضل دیوبند

مجتہد لوگ مر نہیں سکتے وہ فقط راستہ بدلتے ہیں
انکے نقش قدم سے صدیوں تک منزلوں کے چراغ جلتے ہیں

اس نازک دور میں جب کہ الحادی نظریات اور مادی قدروں کا سیلاب ہر مضبوط بند کے نیچے بھی اپنی راہیں نکال رہا ہے۔ ایسی ہستیاں تعداداً بہت کم ملیں گی جنہوں نے قرآن عزیز کو شاہراہ اسلام یعنی سنت اور سلف صالحین سے حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ ہر طبقے کے مسلمانوں کو کتاب اللہ سے وابستہ کرنے کی کوشش کی ہو اور اس آسمانی ہدایت نامہ کے درس و تفسیر کے لیے ایک ایسا منہاج قائم کیا ہو جس سے زیادہ سے زیادہ مسلمان اپنی زندگیوں کی تاریکیوں میں شمع فروزاں حاصل کر سکیں۔

شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ اصول تفسیر میں لکھتے ہیں

اُمت کے لیے فہم قرآن از بس ضروری ہے کہ قرآن ہی خدا کی مضبوط رسی ہے وہی ذکر حکیم اور صراط مستقیم ہے اس میں نہ خواہشیں کچھ پیدا کر سکتی ہیں نہ زبانیں کچھ شک ڈال سکتی ہیں۔ بار بار دہرانے سے وہ پرانا نہیں ہوتا۔ اس کے عجائبات کبھی ختم ہونے کے نہیں، علماء کو اس سے سیری نہیں ہوتی، جو کوئی اس کے بموجب کہتا ہے سچ کہتا ہے جو کوئی اس پر چلتا ہے اجر پاتا ہے اور جو کوئی اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہے عدل برتتا ہے، جو کوئی اس کی طرف بلاتا ہے۔ صراط مستقیم کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن پاک کی تبلیغ و اشاعت جب تک عرب ہاتھوں میں رہی۔ اس کے معنی و موضوع اور مقاصد و مطالب سب وہی رہے جو دین فطرت کے صحیح ترجمان تھے اور ہمارے ان اسلاف نے جہاں تک ہو سکا قرآن فہمی میں تاویل و تکلف سے بچتے ہوئے ایسی دعوت فکر پیش کی جو دلوں کو اللہ کی عظمت اور اس کے تقدس سے بھر دے اور آخرت کی صحیح فکر پیدا کر کے انسانوں کو اسلام کی شاہراہ مستقیم پر ڈال دے۔

ان بزرگوں کا طریق یہی تھا کہ قرآن کریم کو سمجھنے میں جہاں مشکلات یا متشابہات پیش آئیں، صحابہ کرامؓ اور حضرات تابعینؒ کے فیصلوں کا احترام کیا جائے اور ان کی تفسیر کی روشنی ہی میں مرادات کلام باری کا تعین ہو اور آیات احکام میں خود مجتہد بننے کی بجائے مجتہد صحابہ اور آئمہ دین پر پورا اعتماد کیا جائے۔ اس انداز فہم سے قرآن پاک ان کے لیے ایک نہایت آسان کتاب تھی جو اپنے مطالب و مقاصد کے اعتبار سے دین فطرت کی صحیح ترجمان تھی ان کی منظر و فکر وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ کا ۔ ۔ ۔ پوری طرح انجذاب کر چکی تھی۔

جب قرآن عرب سے باہر عجمی ممالک میں پہنچا تو یہ علاقے پہلے سے یونانی معیار دانش ہندی تفلسف مجوسی اوہام اور رومی نظریات حیات سے کافی حد تک متاثر تھے۔ جب اسلام کے فطری اصولوں کی ان انسانی فکروں سے ٹکر ہوئی جو محدود منظر و تجربہ کی حامل تھیں تو ضرورت محسوس ہوئی کہ ان مخالفین کی مدافعت انہی کے معقولی ہتھیاروں سے کی جائے تاکہ قلعہ اسلام کا ہر ممکن حملے سے پورا تحفظ ہو۔ اس موقع پر متکلمین سامنے آئے جنہوں نے بحمد اللہ ہر محاذ کا پوری کامیابی سے سدباب فرمایا۔ جزاہم اللہ۔

لیکن اس تصویر کا ایک دوسرا رخ بھی تھا اور اس انداز فکر سے کچھ بے جا تاویلات کا دروازہ بھی کھلنے لگا یہاں تک کہ تفسیر قرآن تکلفات کی ایک آماجگاہ بن گئی۔ آیات قرآنیہ سے ایسے دلائل لائے جاتے جن کی متحمل وہ آیتیں ہرگز نہ ہوتیں اور پھر اپنے مسلک کے خلاف پڑنے والی آیات پر تحریف کے ہاتھ اس طرح صاف کئے جانے لگے کہ خوارج و روافض جہمیہ معتزلہ و مرجیہ بدعتی فرقوں کے ہاتھوں قرآن پاک ایک انتہائی مظلوم و مہجور کتاب بن کر رہ گئی۔

یہ لوگ قرآنی مرادات کو سلب کر کے ان آیات کو ایسے معنی پہناتے جن پر نہ الفاظ دلالت کرتے اور نہ ہی ان معانی و مفاہیم کا ہی وہاں کچھ دخل ہوتا وہ دلیل اور مدلول دونوں میں عموماً غلطی کرتے اور اگر کہیں حکم صحیح بھی ہوتا تو مدلول میں نہ سہی دلیل میں غلطی ضرور ہوتی تھی۔

آپ کو ایسے علماء اسلام بھی ملیں گے جنہوں نے اس غلط انداز فکر پر تنقید کی اور ان شبہات کا پوری تحقیق سے ازالہ فرمایا لیکن وہ خود بھی لاشعوری طور پر ایسی لاطائل بحثوں کے عادی ہو گئے کہ مقصود قرآن نظروں سے اوجھل ہو گیا اور قرآن عزیز عملی زندگی میں روشنی پیدا کرنے اور فکر آخرت کو بیدار کرنے کی بجائے محض علمی ورزش اور اظہار قابلیت کا ایک ذریعہ بن کر رہ گیا۔ اس انداز بیان میں اگرچہ اسلام کے

بنیادی اصولوں سے کوئی متصادم نہ تھا لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عربی اسلام ہونے کی بجائے محض ایک عجمی اسلام تھا۔

قرآن کے بیان میں عجمی اسلام کے ترجمان بعض ایسے مفسر بھی ملتے ہیں جو ایک ایک آیت میں ستر ستر احتمال پیدا کرنے کو قرآن کی بہت بڑی خدمت اور اپنی قابلیت کے اظہار کا ایک نہایت دلکش ذریعہ سمجھتے ہیں تفسیر قرآن کے اس اندازِ فکر میں آپ کو قطعیت سلب ہوتی نظر آئے گی اور یہ علمی ورزش قرآنِ پاک کی ابتدائی سطح ہدایت کو ایسا اکھاڑا بنا دے گی کہ اس میں ہر طرف بھر بھری زمین ہی دکھائی دے گی۔ اور صلابت کا نام و نشان بھی نہ ملے گا۔ پھر اس کو درس قرآن اور تفسیر کے لیے ترجمان بھی ملیں گے جو قرآنِ پاک کے جغرافیائی موضوعات کا اس طرح اہتمام کریں گے گویا کہ قرآن عزیز نازل کرنے والی ذات کا مقصد یہی جغرافیائی تفصیلات تھیں۔

الغرض عربی اسلام پر اس عجمی اسلام نے اس قدر غلبہ پایا کہ اس چشمہ حیات کے طالبین میں نہ قرآنی عربی کا وہ ذوق رہا اور نہ اس کے اسلوب و ہدایت کو وہ لوگ پا سکے جن علماء نے مقاماتِ بدیع الزمان وہمدانی اور مقاماتِ حریری کا قرآن کے ذوقِ عربیت سے کبھی تقابل کیا ہے وہ ہمارے اس عربی اسلام اور عجمی اسلام کے اس فرق کو نہایت اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔

اس پُرفتن زمانے میں اور خاص طور پر لاہور کی اس علمی گرمی کے زمانہ میں جو "اَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ" کا ایک عجیب مصداق بن چکا ہے شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی صاحب قدس سرہ العزیز کا اندازِ درس و تفسیر خالص عربی اسلام کا ترجمان تھا جس میں تکلف اور تصنع کا نام تک نہ تھا۔ مرادات قرآنی نہایت سادہ، عام فہم اور قابلِ عمل انداز میں سامنے آتیں کہ سننے والوں کا جذبۂ عمل بیدار ہوتا نورِ معرفت دل میں اترتا۔ اور حضرت مرحوم قرآن کو اس قطعیت کے ساتھ پیش کرتے کہ قرآنی جلال کے سامنے کسی احتمال کی کسی لچک کو کوئی راہ نہ ملتی۔

راقم الحروف پر ایک ایسا دور بھی گذرا جب میرے ذہن پر معقولات اور ادبیات کا پورا تسلط تھا۔ میرے نزدیک علم کی گہرائی بس اسی بال کی کھال اتارنے کا نام تھا لیکن ذہن بڑی شدت سے ایک تشنگی محسوس کرتا جو محسوس تو ہوتی مگر اسے الفاظ کا لباس پہنا کر دوسروں کے سامنے پیش کر سکنے پر قدرت نہ تھی۔ ان دنوں بعض دوسرے علماء کی معیت میں بعض اوقات حضرتِ مرحوم کی مجلس درس میں حاضری ہوتی، میرے وہ احباب تو حضرت کے اس سادہ اور بے تکلف بیانِ قرآن کو محض ایک سطحیت قرار دیتے لیکن میں جس کا ذہن معقولات اور جدلیات کے فرسودہ مباحث سے کافی تھک چکا تھا اپنی اس مذکورہ تشنگی کے لیے اسے ایک نسخہ شفا محسوس کرنے لگا۔ میں نے اپنے ان علماء سے کہا کہ اس سادہ اور بے تکلف اندازِ بیان میں قرآنِ پاک کے کسی ایک رکوع کو بیان کیجیے۔ جب ان حضرات نے اس کی کوشش کی تو پھر انہیں اقرار کرنا پڑا کہ بے شک عربی اسلام کی ترجمانی کا حق ان سے ادا نہیں ہو رہا اور عجمی حاشیہ آرائی کے کانٹے اس فطری جادہ ہدایت پر دور تک پھیلے نظر آتے ہیں۔ میں نے بارہا محسوس کیا کہ جب بھی کسی آیتِ قرآنی کے بیان کرنے کی ضرورت درپیش ہوئی تو عجمیت کسی نہ کسی دریچے سے ضرور جھانکنے لگی۔ اس پر ان علماء اور احباب سب کو اقرار کرنا پڑا کہ حضرت شیخ التفسیر کا یہ اندازِ تدریس علمی موشگافیوں، لاطائل تکلفات اور بیانِ احتمالات سے بہت آگے کی ایک منزل تھی۔ یہ درسِ قرآن کا ایسا درجہ ہے جو محض رب العزت کی عطا تھی اور ایک ایسا اندازِ تفسیر ہے جس کے ذریعے اہلِ اسلام کا ہر طبقہ قرآن پاک سے وابستہ ہو سکتا ہے۔

ان معروضات کی تصدیق ان علماء کرام سے بھی ہو سکتی ہے جو حضرت مرحوم کے کبھی حلقۂ تفسیر میں شامل ہوئے ان مستفیضین میں سے بعض احباب کا بیان ہے کہ حضرت شیخ التفسیر کو ہر فن کی کتابیں ازبر تھیں۔ اور سلم العلوم، کافیہ، حسامی وغیرہ فنون کی کتابیں تو من وعن حفظ تھیں۔ علوم و فنون پر اس گہری نظر کے باوجود قرآن مجید کو ذہن میں اس طرح اتارتے جیسے کہ شیرِ مادر اپنے فطری تقاضے سے اپنے مرکز کی طرف آ رہا ہے۔ اس سادگی کو سطحیت قرار دینا خود ایک بہت بڑی سطحیت تھی اور جن احباب نے حضرت موصوف کے ایک دوسرے سلسلۂ تفسیر (جو مکمل نہ ہو سکا اور جس کا نمونہ تیسویں پارے کی بعض سورتوں کی علیحدہ علیحدہ تفاسیر کی صورت میں بارہا طبع ہو چکا ہے) کے چند صفحات بھی مطالعہ کئے ہیں وہ وادیٔ حیرت میں گم ہو جاتے ہیں کہ اس گہری فکر اور اس قدر تفصیل سے قرآنی مطالب کو پھیلانے والے بزرگ اپنے پہلے سلسلۂ تفسیر میں اس غیر معمولی اختصار، سادگی، بے تکلفی اور پھر ان سب امور کے باوجود ایک باقاعدہ نظم اور ایک باقاعدہ رابطہ پر کیسے قادر ہیں۔ ربطِ آیات کے سلسلہ میں حضرت کے مختصر اور نہایت جامع حواشی ہمارے اس بیان کے ناقابلِ تردید گواہ ہیں۔ حضرت مرحوم سے قرآن سن کر ذہن و فکر پر نہ کوئی بوجھ محسوس ہوتا تھا اور نہ ذکر و عمل کے باب میں کوئی مشکل یا علمی رکاوٹ محسوس ہوتی۔ حضرت بیان فرماتے اور یوں محسوس ہوتا گویا نسلِ انسانی کی عملی ہدایات کے لیے وحی ابھی اتر رہی ہے اور یہ محض اسی وجہ سے تھا کہ حضرت کا موضوع ہمیشہ عربی اسلام عجمی اسلام نہ تھا جس کی موشگافیوں اور تاویلات نے عملی دنیا میں انقلاب پیدا کرنے کی بجائے محض ذہنی عیاشی اور علمی ورزش کے چند ابواب مہیا کر رکھے ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب وعلمہ اتم و احکم فی کل باب

شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علیؒ

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی سے برصغیر ہی نہیں پوری مسلم دنیا کے ارباب علم و فضل واقف و آگاہ ہیں۔ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے قلم پر پوری قدرت عطا فرمائی ہے۔ اور اس خدائی عطیہ کو انہوں نے دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ اپنے بزرگوں اور اکابر کے تعارف کے لئے وقف کر دیا ہے۔

ہندوپاک کے علاوہ متعدد مسلم ممالک میں موصوف کی کئی کتابیں مختلف زبانوں میں چھپ کر ایک دنیا سے خراج تحسین حاصل کر چکی ہیں۔

ابھی حال ہی میں موصوف نے ایک نئی کتاب "پرانے چراغ" مرتب کی جو جانشین شیخ التفسیر مولانا عبید اللہ انور کی خدمت میں بطور ہدیہ ارسال فرمائی۔ اس کتاب میں مختلف مشائخ، علماء، مصلحین اساتذہ اور احباب کے متعلق موصوف کے تاثرات شامل ہیں۔

ایک مقالہ مولانا لاہوریؒ سے متعلق ہے۔ جس میں موصوف نے اپنی چند بار کی لاہور حاضری، حضرت سے تعلق جو ایک شاگرد اور عقیدت مند کی صورت میں پیدا ہوا کی روشنی میں اپنے تاثرات بیان کئے ہیں۔

یہ مقالہ شیخ لاہوری رحمۃ اللہ کی مومنانہ اور مجاہدانہ زندگی کی اچھوتی تصویر ہے جسے علی میاں کے باغ و بہار قلم نے اور ہی پرکشش بنا دیا ہے۔

جانشین شیخ کے توسط سے احقر کو اس کتاب کے مطالعہ کا موقع ملا تو جی میں آیا کہ یہ مقالہ حضرت کی یاد میں شائع ہونے والے خصوصی ایڈیشن میں شائع کر دیا جائے۔ کیونکہ ہندوپاک کے مخصوص حالات ان کتابوں کی راہ میں حائل ہیں اور جلدی میں کتاب کے حصول کا راستہ نظر نہیں آرہا۔

اے کاش دونوں حکومتیں اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں تاکہ دونوں طرف کے صاحب ذوق لوگ کم از کم علمی پیاس تو بجھا سکیں۔

جہاں تک ہندی مصنفین کا تعلق ہے انہوں نے اپنے قلم سے وہ کچھ لکھا ہے جو ہمارے دانشوروں کے مقدر میں نہیں ہے۔ علی میاں کو ہی لیں انہوں نے "روائع اقبال" کے نام سے عربی میں ایک مبسوط کتاب لکھ کر اقبال مرحوم کو مشرق وسطیٰ میں متعارف کرایا جب کہ ہمارے یہاں کے کسی اقبالی کو آج تک یہ توفیق نہیں ہوئی۔ ان تعارفی سطور کے ساتھ وہ مقالہ حاضر خدمت ہے۔

(نوٹ) ذیلی سرخیاں ہم نے قائم کی ہیں (ادارہ)

میری زندگی کا مبارک دن

میری زندگی میں وہ بڑا مبارک دن اور بڑی سعید گھڑی تھی جب مولانا احمد علی صاحب لاہوری امیر انجمن خدام الدین شیرانوالہ دروازہ، لاہور سے نیاز حاصل ہوا۔ میری زندگی کے دو بڑے موڑ ہیں جہاں سے زندگی کا نیا راستہ (جہاں تک خیال ہے بہتر اور مبارک راستہ) اختیار کیا۔ پہلا موڑ جب مولانا احمد علی صاحب سے تعلق پیدا ہوا۔ دوسرا موڑ اس وقت پیش آیا۔ جب خدا نے مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پہنچا یا۔ اگر مولانا احمد علی صاحب سے ملاقات نہ ہوتی تو میری زندگی اچھی یا بری بہرحال موجودہ زندگی سے بہت مختلف ہوتی اور شاید اس میں ادب و تاریخ اور تصنیف و تالیف کے سوا کوئی ذوق اور رجحان نہ پایا جاتا۔ خدا شناسی اور خدا رسی، راہ یابی اور راس روی تو بڑی چیزیں ہیں۔ مولانا کی صحبت میں کم سے کم خدا طلبی کا ذوق خدا کے نام کی حلاوت

اور مردانِ خدا کی محبت' اپنی کمی اور اصلاح و تکمیل کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔ اور ہم عامیوں کے لئے یہی بڑی دولت اور نعمت ہے۔ بلکہ بعض حقیقت شناسوں کے نزدیک یہی اصل دولت ہے۔

وحشت کلکتوی نے انہی لوگوں کی ترجمانی اپنے شعر میں کی ہے

نشانِ منزلِ جاناں ملے ملے نہ ملے
مزے کی چیز ہے یہ ذوقِ جستجو میرا

کہتے ہیں کہ جس کا رزق جہاں مقدر ہوتا ہے وہیں ملتا ہے۔ اس کے لئے وطن' پردیس اور یگانہ و بیگانہ کی قید نہیں' میرے نزدیک یہ کلیہ مادی و غذائی اور معنوی و روحانی دونوں قسم کے رزق کے لئے عام ہے۔ اور قرآن مجید میں معنوی حقیقت کے لئے رزق کا استعمال آیا ہے۔ " أتجعلون رزقكم انكم تكذبون"، مفسرین، مفکرین اور ہر اچھے مقصد کے لئے کوشش کرنے والوں کو جن پر وہ مقصد طاری ہو جائے رہنمائی کے حصول، نئے نئے انکشافات، خلاف توقع اور خلاف قیاس معلومات و مواد کی فراہمی اور غیبی امداد کے اپنے ایسے تجربے ہوتے ہیں کہ ان کے سامنے آیت قرآنی "ویرزقہ من حیث لایحتسب" کی تفسیر کے نئے نئے نمونے اور مثالیں سامنے آتی ہیں۔ اور ان کے نزدیک اس آیت کا وہی محدود مفہوم باقی نہیں رہتا۔ جو تفسیر و ترجمہ کی عام کتابوں میں لکھا گیا ہے اور عام طور پر سمجھا جاتا ہے۔

میرے شعور کا زمانہ تھا اور عربی تعلیم شروع ہو چکی تھی کہ خود خاندان میں اپنے ہی ضلع میں وطن کے قریب مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادی (متوفی ۱۹۳۰ء/۱۳۴۹ھ سلسلہ سید احمد شہید قدس سرہٗ کے ایک عظیم داعی) موجود تھے۔ جن سے ضلع رائے بریلی، پرتاپ گڑھ، سلطان پور اور اعظم گڑھ کے ہزاروں مسلمان بیعت و ارادت کا تعلق رکھتے تھے۔ اور ان کی اصلاح و تربیت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا غلغلہ دور دور بلند تھا۔ لیکن باوجود قریبی قرابت اور مکانی قربت میں ان کی زیارت سے بھی محروم رہا، ہندوستان کے شمال مغربی اضلاع، مشائخ و علماء کا مرکز ہیں اور قریب و بعید متعدد حقانی ربانی مشائخ و بزرگ موجود تھے۔ تمام ظاہری قرائن اور قیاسات اس بات کے موجود تھے، کہ علمی اور روحانی پیاس بجھانے کے لئے اور اپنی اصلاح و تربیت کے لئے انہی میں سے کسی مشہور و معروف ہستی کا انتخاب کیا جائیگا۔ خود اپنے شہر ہی نہیں اپنے محلہ اور مکان پر قدیم تعلقات اور روابط کی بنا پر ایسے بزرگوں کی آمدورفت تھی اور ان سے متعدد افراد خاندان منسلک و وابستہ تھے۔ لیکن ہوا یہی جو برسوں کا تجربہ ہے کہ رزق خود کھینچ کر لے جاتا اور اپنی طرف بلاتا ہے۔

حضرت لاہوریؒ سے ابتدائی تعارف

مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ کا نام سب سے پہلے خواجہ عبدالحئی صاحب فاروقی سے سنا، خواجہ صاحب میرے بھائی صاحب مرحوم کے دیوبند کے ہم سبق تھے۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب اور مولانا انور شاہ صاحب کے حدیث کے درس کے دونوں ساتھی تھے۔ اور دونوں میں غالباً زمانہ حال کے تقاضوں سے واقفیت اور جدید مطالعہ کی بنا پر بہت کچھ ہم مذاقی اور اتحاد تھا۔ خواجہ صاحب مولانا عبید اللہ صاحب سندھی سے پڑھ کر آئے تھے۔ انگریزی داں تھے۔ سیاست کا ذوق تھا۔ اور بھائی صاحب ندوہ سے پڑھ کر گئے تھے۔ غرض دونوں میں بڑی دوستی اور محبت تھی۔ خواجہ صاحب بھائی صاحب کی دعوت پر غالباً ۱۹۲۷ء میں ایک مرتبہ گرمی کی تعطیلات گزارنے کے لئے لکھنؤ آئے اور ہمارے مکان پر ٹھہرے۔ بھائی صاحب نے ان سے فرمائش کی کہ وہ اس زمانہ قیام میں مجھے قرآن مجید کا کچھ حصہ پڑھا دیں۔ میری عمر اس وقت ۱۲ ۱۳ سال کی تھی۔ خواجہ صاحب نے اخیر پارے کی اخیر سورتیں پڑھائیں

مولانا سندھی اور ان کے دو شاگرد وقت کا ماحول

مولانا عبید اللہ سندھی کے ہندوستان میں دو مایہ ناز شاگرد تھے۔ اور ان کے طرز تعلیم اور مسلک تفسیر کے حامل و امین اور اس میں ان کے صحیح جانشین مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ اور خواجہ عبدالحئی فاروقی وہ زمانہ ساری دنیا میں سیاسی بے چینی اور ہندوستان میں انگریز دشمنی کے بحران کا تھا۔ سیاست ہر چیز پر غالب اور حاوی تھی۔ ہر مسئلہ کو خواہ وہ علمی ہو یا دینی، ادبی ہو یا تاریخی، اخلاقی ہو یا اقتصادی، سیاست کی عینک سے دیکھنے اور سیاست کی کسوٹی پر پرکھنے کی عادت ہو گئی تھی۔ جیسے ہر زمانہ میں ایک خاص طرز فکر اور نقطۂ نظر کا استیلاء ہو جاتا ہے۔ اور ہر چیز اسی کی مدد سے اور اسی سے متاثر ہو کر دیکھی جاتی ہے۔ اس زمانہ میں سیاست و حکومت آزادی و غلامی، حاکمیت و محکومیت اور استعمار و استقلال کا

استیلاء تھا۔ اور اس نے ایک نئے "وحدت الوجود" کے فلسفہ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس دور کے فلسفہ اور اس کے اثر و تسلط کو دیکھ کر وحدت الوجود کے عقیدہ کی عمومیت و عالمگیری، ادب و شاعری علم و فلسفہ، الہیات اور علم کلام یہاں تک کہ عام زندگی و معاشرت اور روزمرہ کی گفتگو اور بول چال پر اس کی مضبوط گرفت اور گہری چھاپ کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اس وقت ساری دنیا بالخصوص ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے سب سے اہم مسئلہ مغربی طاقتوں سے خصوصاً ان کے سب سے بڑے نمائندہ انگریزوں کی غلامی اور حکومت سے نجات اور آزادی حاصل کرنا تھا۔ مولانا عبید اللہ صاحب غیر معمولی طور پر ذہین و ذکی واقع ہوئے تھے۔ اسی کے ساتھ نہایت درجہ حساس اور غیور طبیعت رکھتے تھے۔ شیخ الہندؒ کی صحبت نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ ان کے ابتدائی مرشد و مربی حافظ محمد صدیق صاحب اور ان کے خلیفہ مولانا سید تاج محمود امروٹی اعلیٰ مجاہدانہ جذبات رکھتے تھے۔ اور پرے درجہ کے انگریز دشمن تھے۔ ان سب اثرات نے مولانا عبید اللہ صاحب کو ایک شعلہ جوالہ میں تبدیل کر دیا۔ اور ان کے ذہن کو جہاد و حریت، احیائے خلافت و حکومت الٰہی حصول آزادی اور انگریز دشمنی کی طرف ایسا موڑ دیا کہ ان کو سارا قرآن مجید جو شروع سے ان کی دلچسپی اور مطالعہ کا مرکز تھا۔ اسی کی تفسیر اور اسی کی دعوت و تبلیغ نظر آنے لگا۔ ان کی ذہانت و نکتہ آفرینی نے اس کی آیات و اشارات سے وہ کام لیا کہ ان کو اپنے ہر دعویٰ کی تائید قرآن مجید ہی میں نظر آنے لگی۔ اور انہوں نے اس سے اجتماعی و سیاسی زندگی کے ایسے ایسے اصول و کلیات اخذ کئے جن کا نہ کسی قدیم تفسیر میں نشان ملتا ہے، نہ کسی جدید تفسیر میں یہ طرز استنباط اور یہ طریقہ، تفسیر صوفیائے کرام کے تفسیری لطائف اور متصوفانہ نکات سے بہت ملتا جلتا تھا۔ جن کو وہ الاعتبار والتاویل کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ اور جن کے نمونے شیخ اکبر کی فتوحات مکیہ، علامہ مہائمی کی تفسیر تبصیر الرحمان و تیسیر المنان، اور علامہ حقی کی تفسیر روح البیان میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اگر اس کو تفسیر کا نام نہ دیا جائے اور "الاعتبار والتاویل" ہی کے نام سے یاد کیا جائے۔ نیز وہ حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو تو ہر دور کے علماء نے اس میں حرج نہیں سمجھا ہے۔ غرض مولانا عبید اللہ صاحب ایک خاص طرز تفسیر کے اس دور میں بانی تھے۔ جن کو ان کے شاگرد ارشد مولانا احمد علی صاحبؒ تفسیر کی بجائے الاعتبار والتاویل ہی کے نام سے یاد کرنا پسند فرماتے تھے۔ اس میں ان کے سب سے زیادہ کامیاب

وفادار اور جاں نثار شاگرد ہی دو مولانا احمد علی صاحب لاہوری اور خواجہ عبد الحیٔ صاحب فاروقی تھے۔ اوّل الذکر نے لاہور میں بیٹھ کر تقریباً نصف صدی اس کی اشاعت کی۔ مدارس عربیہ کے فضلاء کی بدولت جن کے لئے انہوں نے صرف ڈھائی تین ماہ کا نصاب بنایا تھا۔ اور جو ان مدارس کی تعطیل کے زمانہ میں ان سے استفادہ کے لئے آتے تھے یہ درس قرآن ہندوستان کے دور دراز گوشوں تک پہنچ گیا۔ جہاں تک مجھے علم ہے۔ اس سے نقصان کم پہنچا، تصحیح عقائد، اصلاح رسوم، ربط بالقرآن کا فائدہ زیادہ ہوا۔ یہ درحقیقت مولانا احمد علی صاحبؒ کے تقویٰ اور روحانیت اور اخلاق و ایثار کی برکت تھی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان میں درس قرآن کے عمومی رواج اور لوگوں میں اس کی مقبولیت کا سہرا انہی کے سر ہے۔ دوسرے شاگرد رشید خواجہ عبد الحیٔ صاحب فاروقی نے جامعہ ملیہ اسلامیہ کو جو پہلے علی گڑھ میں تھا۔ پھر دہلی منتقل ہوا۔ اپنی کوششوں کا مرکز بنایا۔ ان کے درس سے کم لیکن ان کی تفسیری تصنیفات سے اس کا علمی حلقہ میں زیادہ تعارف ہوا۔ خواجہ صاحب مولانا احمد علی صاحب کا نام بڑے احترام سے لیتے ان کے درس اور مجالس میں ان کا تذکرہ آنا غیر متوقع بات نہ تھی۔ اس لئے جہاں قیاس کام کرتا ہے مولانا کا سب سے پہلے نام اہمیت کے ساتھ انہی سے سنا۔

حضرت لاہوریؒ سے تعارف کا دوسرا سبب

مولانا کے تعارف اور دل میں ان کی عقیدت پیدا ہونے کا دوسرا سبب یہ تھا کہ میرے پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب ایم۔اے اورنٹیل کالج لاہور میں پڑھاتے تھے۔ اتحاد مسلک کی وجہ سے مولانا سے ان کے گہرے روابط تھے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان سے تعلق کی بنا پر مولانا ان کا ایک درجہ میں احترام فرماتے تھے۔ اور وہ خود بھی لاہور میں سب سے زیادہ مولانا ہی کے اخلاص و للّٰہیت اور پاکیزہ نفسی کے قائل تھے۔ وہ جب چھٹیوں میں وطن واپس آتے تو مولانا کا ذکر خیر کرتے۔ ۱۹۲۹ء کی گرمیاں تھیں اور مئی کا مہینہ، میں امتحان عربی میں نمایاں طریقہ پہ کامیاب ہوا تھا۔ اس وقت تک لکھنؤ سے باہر کہیں نہیں گیا تھا، صرف ہنسوہ فتح پور قرابتوں اور تقریبات کی وجہ سے اس سے مستثنیٰ تھا کہ وہاں سال میں ایک دو مرتبہ جانا ہوتا تھا۔

میرا لاہور آنا اور حضرت سے پہلی ملاقات

میری پھوپھی صاحبہ کا خط والدہ مرحومہ کے نام آیا جس میں مجھے لاہور بلایا گیا تھا۔ یہ میرا پہلا طویل سفر تھا۔ اور بہت سی حیثیتوں سے تاریخی اور یادگار، اسی سفر میں میں نے پہلی مرتبہ علامہ اقبال کی زیارت کی۔ جس کا تذکرہ نقوش اقبال کے مقدمہ میں تفصیل سے آچکا ہے۔ مشہور علمی اور ادبی شخصیتوں کو دیکھا، بڑے بڑے فضلاء، اور پروفیسروں سے ملاقات کی۔ علمی اور ادبی محفلوں میں شریک ہوا۔ رستم زماں گاما پہلوان اور بعض ہندوستان گیر اور بعض عالمگیر شہرت رکھنے والے اہل کمال کی زیارت کی، یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ مولانا احمد علی صاحب کے دیدار سے آنکھیں روشن نہ کرتا جن کا ذکر خیر عرصہ سے سنتا تھا۔ اس پر اضافہ یہ ہوا کہ بھائی صاحب نے میرے لاہور پہنچنے پر جو خط پھوپھا صاحب کو لکھا اس میں تاکید کی کہ مجھے مولانا احمد علی صاحب سے ضرور ملایا جائے۔ مئی کی غالباً کوئی آخری تاریخ تھی کہ مولانا سید طلحہ صاحب مجھے مولانا احمد علی صاحب کے پاس لے گئے۔ میری عمر اس وقت پندرہ سولہ سال کے درمیان رہی ہوگی۔ میرے تعارف میں دو ہی باتیں کہی جاتی تھیں، والد صاحب کا نام اور ان سے نسبت فرزندی اور عربی زبان سے مناسبت اور اس میں بے تکلف لکھنے پڑھنے کی صلاحیت جو اس عمر اور زمانہ میں کچھ نئی ہی بات سمجھی جاتی تھی۔

مولانا نے جس شفقت و عنایات کا اظہار فرمایا، اس کا مجھے اس وقت تک کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ اور وہ میری توقع اور حیثیت سے زیادہ تھی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ ان کی محبت و عقیدت کا بیج دل کی نرم زمین میں پڑا اور ذہن نے اس کو قبول کر لیا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ دوسرے یا تیسرے سال گرمیوں کی تعطیل میں لاہور پھر اس شوق میں گیا کہ مولانا کے درس قرآن میں شرکت کروں۔ لیکن معلوم ہوا کہ عربی مدارس کے طلباء اور فضلاء کا باقاعدہ درس جس کو مولانا کے رفقاء و خدام "علماء کلاس" کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ رمضان، شوال اور ذی قعدہ میں ہوا کرتا ہے۔ اس وقت تو صرف فجر کے بعد عمومی درس میں اہل شہر شریک ہوتے ہیں۔ اور مغرب کے بعد انگریزی تعلیم یافتہ حضرات کی کلاس ہوتی ہے۔ لیکن مولانا نے از رہ شفقت و عنایت مجھے مستقل وقت دیا، اور شروع سے قرآن شریف پڑھانا شروع کیا۔ اس درس میں صرف میں اور برادر عزیز سید احمد الحسینی جو پہلے سے لاہور میں تھے شریک تھے۔ اس درس کا سلسلہ زیادہ دن نہیں رہا۔ شاید سورہ بقرہ نصف ہوئی ہوگی کہ لکھنو میری واپسی ہو گئی۔ اس درس میں نیز صبح کے عمومی درس میں شرکت سے اور کوئی فائدہ ہوا ہو یا نہ ہوا ہو دینی ذوق ضرور پیدا ہوا۔

حضرت لاہوریؒ کے درس کے مرکزی مضامین

مولانا کے درس کے تین اہم بڑے مرکزی مضمون تھے عقیدہ توحید کی وضاحت، جو ہر قسم کے مشرکانہ اثرات و رسوم سے پاک تھی۔ اور جس میں ان کا طرز مولانا اسمٰعیل شہید (صاحب تقویۃ الایمان) سے بہت ملتا جلتا تھا۔ نیز انہیں کے ایک دوسرے نامور معاصر اور بزرگ مولانا حسین علی صاحب (واں بچھراں ضلع میانوالی) کے طرز تفسیر اور انداز تبلیغ سے بہت ملتا جلتا تھا۔ یہ چونکہ خود اپنے خاندانی مسلک کی ترجمانی اور تائید تھی۔ اس لئے دل نے اس کا خوب ذائقہ لیا۔ اور دماغ نے اس کو پورے طور پر قبول کیا۔

دوسرا مرکزی مضمون (تذکرہ مشائخ)

دوسرا مرکزی مضمون اہل اللہ کے مؤثر اور دلآویز واقعات بالخصوص اپنے سلسلہ کے مشائخ کا دل نشین و دل پذیر بکثرت تذکرہ، مولانا اپنے سلسلہ کے مشائخ کی محبت میں بالکل سرشار تھے اور جیسا کہ محبت کا قاعدہ ہے۔ وہ ان کے تذکرہ کے لئے کوئی نہ کوئی تقریب پیدا کر لیتے تھے۔ وہ جس وقت ان کا تذکرہ کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ میں پانی بھر آیا ہے۔ اور وہ کسی نہایت شیریں اور محبوب چیز کا مزہ لے لے کر ذکر کر رہے ہیں۔ ان کے دو روحانی مربی و شیخ تھے۔ مولانا سید تاج محمود صاحب امروٹی اور خلیفہ غلام محمد صاحب دین پوری وہ جس وقت ان دونوں بزرگوں کا تذکرہ کرتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ان کے ہر بن مو سے تشکر و امتنان اور محبت و عقیدت کا چشمہ ابل رہا ہے اور کسی نے ان کے دل کا ساز چھیڑ دیا ہے۔ سامعین کے دل ان تذکروں سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ قدرۃً یہ عقیدت و محبت ان کے دل سے سننے والوں کے دلوں کو منتقل ہوتی تھی، اور بجلی کی کرنٹ کی طرح دوسروں کے جسم و جان میں بھی دوڑ جاتی تھی۔

تیسرا مرکزی مضمون (جہاد)

تیسرا مرکزی مضمون جذبۂ جہاد، بغض فی اللہ اور انگریزوں سے شدید دشمنی اور نفرت کا مضمون تھا۔ جو بار بار درس میں آتا تھا۔ اور خود قرآن مجید کی آیات ان کی رہبری کرتی تھیں۔ میرا نشو و نما اس وقت تک علمی و ادبی فضا اور ندوہ کے ماحول میں ہوا تھا۔ خاندان میں بھی انقلاب زمانہ اور انگریزی تعلیم کے اثر سے یہ تذکرے بہت کم رہ گئے تھے۔ حقیقتاً مولانا ہی کے درس سے اس نئی دنیا سے آشنائی پیدا ہوئی اور معلوم ہوا کہ علم و مطالعہ، فکر و نظر اور ادب و شعر کے علاوہ کچھ مقاصد و حقائق اور کچھ لذتیں اور ذائقے ہیں اور انسانوں کی کوئی قسم ایسی بھی ہے جس کے لئے دین صرف خبر نہیں بلکہ نظر، یا دریافت نہیں یافت کا معاملہ ہے۔

سرّ دیں ما را خبر او را نظر   او درون خانہ ما بیرون در

لاہور کی دوبارہ حاضری

اس سے اگلے سال غالباً ۱۹۳۲ء میں حجۃ اللہ البالغہ کے درس میں شرکت کے لئے لاہور آیا، مولانا عبیداللہ صاحب سندھی کی دوسری پسندیدہ کتاب شاہ ولی اللہ صاحب کی حجۃ اللہ البالغہ تھی۔ جس کو وہ بڑے ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے۔ ان کی ذہانت و نکتہ آفرینی نے اس میں بھی ایک نیا عالم پیدا کر دیا تھا۔ اس میں ان کو تمام جدید، سیاسی معاشی انقلابات کی پیش گوئیاں اور ایک نئے صالح اور مکمل نظام کا نقشہ نظر آتا تھا۔ جو اخلاقیات معاشیات اور سیاسیات والہیات کے چار ستونوں پر قائم ہو سکتا ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ذہانت بڑی خلاق اور جدت پسند واقع ہوئی ہے۔ وہ بے جان تصویروں میں جان، اختصار میں تطویل اور اجمال میں تفصیل پیدا کر دیتی ہے۔ اور چند لفظوں اور لکیروں سے جو بعض اوقات خورد بین کے بغیر دیکھی نہیں جا سکتیں۔ ایک پورا شہر تعمیر کر لیتی ہے لیکن حجۃ اللہ البالغہ میں مولانا سندھی کی ذہانت کو زیادہ محنت نہیں کرنی پڑی۔

کتاب کا موضوع، اس کے مطالب، شاہ ولی اللہ صاحب کے وسیع و آفاقی ذہن، ان کی نکتہ رس طبیعت اور ان کی دوربین نگاہ نے مولانا عبیداللہ صاحب کی خود مدد اور رہنمائی کی۔ اور انہوں نے اس کتاب کا رشتہ موجودہ زندگی اور مسائل سے جوڑ دیا۔ مولانا احمد علی صاحب اس کتاب کو بڑے اہتمام اور ذوق و شوق سے پڑھاتے تھے اور اس کا ایک الگ درس ہوتا تھا۔ جس میں مستند مدارس عربیہ کے فضلاء کو شرکت کی اجازت تھی۔ میرے علم میں اس وقت حجۃ اللہ البالغہ کا بالاستقلال درس کہیں نہیں ہوتا تھا۔ شاہ صاحب سے عقیدت گویا گھٹی میں پڑی تھی۔ اور خاندان و مدرسہ دونوں نے اس کو استحکام اور دوام عطا کیا۔ میں نے بھی اس درس میں شرکت کی، کئی روز تک میرا نام باقاعدہ نہیں لکھا گیا۔ مولانا کو اس بارہ میں بہت شبہ تھا کہ میرے اندر اس کتاب کی استعداد و صلاحیت ہے۔ ان کو معلوم تھا کہ میں نے فلسفہ اور علم کلام کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی۔ اور اس کتاب کا اس کے بغیر سمجھ میں آنا مشکل ہے۔ خدا علامہ حسین میر کاشمیری مرحوم (لاہور کے مشہور مزاح نگار و شاعر اور صحافی جن کے علماء، قائدین اور رہنمایان احرار سے گہرے روابط تھے) کو جزائے خیر دے انہوں نے اس کی تقریب پیدا کی۔ ایک روز مولانا سے عرض کیا کہ آج عبارت ان سے پڑھوا لیجئے۔ میں عرب اساتذہ سے پڑھنے اور ندوہ کی تعلیم کے اثر سے عبارت اچھی پڑھتا تھا۔ اور اس میں کچھ دوسروں سے فائق نکلا۔ مولانا کا خیال بدل گیا اور انہوں نے مجھے باضابطہ اس جماعت میں شامل کر لیا۔ یہ دس بارہ طالب علموں کی جماعت رہی ہوگی۔ سب فارغ التحصیل تھے ان میں بنگالی اور آسامی طلباء بھی تھے۔ پنجاب اور یوپی، بہار کے بھی، درس کا طور یہ تھا کہ اس میں نہ وقت کی قید تھی نہ مقدار کی۔ مسلسل تین، چار گھنٹے بھی درس ہو جاتا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ ایک نشست بیٹھنے سے ٹانگیں درد کرنے لگتیں، چونکہ میں کچھ تاخیر سے حاضر ہوا تھا اور میں نے کئی وہ علوم نہیں پڑھے تھے جو مقدمات کا کام دیتے ہیں۔ اس لئے مجھے اس کتاب کے سمجھنے اور اس کے مطالب پر حاوی ہونے میں کہیں کہیں بڑی دشواری محسوس ہوئی۔ اور مجھے اس کے لئے بڑی طیاری کرنی پڑی۔ کئی کئی گھنٹے مطالعہ کرتا۔ اور درس سے پہلے کتاب کو پورے طور پر حل کر لینے کی کوشش کرتا، نیز طلباء کے ساتھ مذاکرہ کر کے پچھلا حصہ جو چھوٹ گیا تھا۔ اس

کو پڑھا، مولانا کے یہاں کتاب کا صرف پہلا حصہ زیر درس رہتا تھا۔ نصاب پورا ہوا تو ہم لوگ مولانا نجم الدین صاحب پروفیسر اورینٹیل کالج لاہور کے پاس گئے، مولانا کے معقولات و منقولات میں تبحر کی شہرت تھی۔ اس وقت اورینٹیل کالج کے سینئر مولوی ہونے کی وجہ سے استاذ الاساتذہ سمجھے جاتے تھے، مولانا نے بھی امتحان بڑی تفصیل و تدقیق سے لیا۔ امتحان زبانی تھا، اس لئے جرح کا پورا موقع تھا۔ اور وہ کمزوریاں جو تحریری امتحان میں چھپ جاتی ہیں۔ ان کے اظہار کا بھی پورا موقع تھا۔ میری حیرت و مسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جب مجھے معلوم ہوا کہ انہوں نے مجھے سب سے زیادہ نمبر دیئے اور میں اول آیا

حضرت لاہوریؒ کا اصلی ذوق

اہل اللہ کے تذکرے اور روحانیت کا شوق پیدا کرنیوالے واقعات کا سلسلہ مولانا کے درس قرآن، حجۃ اللہ البالغہ کے سبق جمعہ کے خطبات اور عام مجالس میں برابر جاری رہتا تھا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہی مولانا کا اصلی ذوق اور اصلی دعوت ہے۔ اسی کے ساتھ زیادہ قیام اور قرب کی وجہ سے مولانا کی زاہدانہ اور مجاہدانہ زندگی ہمارے سامنے آئی جس کی نظیر کم سے کم میں نے اس سے پہلے نہیں دیکھی تھی، صرف بزرگوں کے قصے سنے اور کتابوں میں پڑھے تھے، ہم لوگ مدرسہ قاسم العلوم میں رہتے تھے۔ ٹھیک اس کی پشت پر چند گز کے فاصلے سے مولانا کا مکان واقع تھا۔ راستہ میں پتلی گلی تھی۔ مولانا کے بڑے صاحبزادے مولوی حبیب اللہ صاحب (المتوفی ۱۳۹۲ھ ۱۹۷۲ء مدفون جنت المعلی مکہ معظمہ جو فاضل دیوبند، عابد و زاہد اور عظیم صفات کے مالک تھے، اپنے عظیم والد سے بیعت تھے، اور اجازت بھی تھی ۲۵ سال حرمین میں درس دیا غفر اللہ لہ) میرے دوست ہو گئے تھے۔ مولانا کے گھریلو حالات اور ان کے زہد و تقشف ورع و احتیاط اور قناعت و استغنا کے واقعات ان کے معتمد خاص، رفیق زندگی اور انجمن خدام الدین کے سیکرٹری خلیفہ شہاب الدین سے سننے میں آتے تھے۔ جو مجھ پر خصوصی کرم فرمانے لگے تھے۔ خلیفہ صاحب نے غالباً مولانا ہی کے ساتھ ہجرت کی تھی۔ اور کابل و بخارا پھر وہاں سے ترکی گئے تھے۔ وہ مولانا کے محرم راز اور خلوت و جلوت کے آشنا تھے۔

حضرت سے تعلق کی درخواست اور آپکی دین پور کی رہنمائی

ان ذرائع سے مولانا کی زندگی کے جو حالات، ان کے زہد و ورع، روشن ضمیری، قوت ادراک اور باطنی کمالات کا جو اندازہ ہوا اس سے مولانا سے اصلاح و تربیت کے مستقل تعلق کا داعیہ پیدا ہوا۔ اور میں نے ایک دن مولانا سے اس کی درخواست کر دی، مولانا نے فرمایا کہ ابھی شیخ مرشد حضرت خلیفہ صاحب حیات ہیں۔ میں آپ کو ایک تعارفی خط دیدیتا ہوں۔ آپ دین پور چلے جائیں اور ان سے بیعت ہو جائیں۔

میرا دین پور شریف کا قصد

میرے لئے تعمیل ارشاد کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ سخت گرمی کا زمانہ تھا۔ اور غالباً جون کا مہینہ تھا، دین پور ریاست بہاولپور میں خان پور سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے جو لاہور کراچی لائن کا ایک مشہور اسٹیشن ہے۔ اور تقریباً سندھ کی سرحد پر واقع ہے میں نے وہاں جانے کا عزم کر لیا

حضرت لاہوریؒ کے سلسلہ کا مختصر تعارف

قبل اس کے کہ دین پور کے سفر کی مختصر روداد سنائی جائے مولانا احمد علی صاحب کے سلسلہ روحانی کا مختصر تعارف کرا دینا مناسب ہے۔ بارہویں صدی کے تقریباً وسط میں سندھ و بلوچستان میں ایک مشہور شیخ طریقت سید محمد راشد گزرے ہیں۔ جن کا سلسلہ قادریہ تھا۔ میں نے مولانا عبید اللہ صاحب سندھی سے خود سنا ہے کہ وہ ان دیار میں علمی اور روحانی طور پر تقریباً وہی مرتبہ اور شہرت رکھتے تھے۔ جو ان کے معاصر حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی کا شمال مغربی ہندوستان میں تھا، سید محمد راشد اپنے والد سید محمد بقا کے مرید و مجاز تھے، وہ سید عبدالقادر جیلانیؒ خامس کے خلیفہ تھے، جو پیر کوٹ سدھانہ (ضلع جھنگ سیال پنجاب) میں مدفون ہیں، یہ سلسلہ بغداد و حلب سے اُچ ریاست بہاولپور) پہنچا، جہاں اس سلسلہ

کے تو شائخ مدفون ہیں۔

پیر پگاڑا شریف

سیّد محمد راشد کے تین نامور اور ممتاز ترین خلفاء تھے، دو خود ان کے صاحبزادے سیّد صبغۃ اللہ اور سیّد محمد یاسین سیّد صبغۃ اللہ اور سیّد محمد یاسین کے درمیان والد نامدار کے تبرکات اور مناصب کی تقسیم اس طرح ہوئی کہ سید صبغۃ اللہ کے سر پر دستار خلافت و شیخیت باندھی گئی۔ اس وجہ سے وہ سندھیوں میں پیر پگاڑو کے شہرہ آفاق لقب سے مشہور ہوئے۔ اور ان کا ہر جانشین پیر پگاڑو کہلاتا انہوں نے ایک مجاہد جماعت کی "حر" کے نام سے تنظیم شروع کی، جس کا مقصد یہ تھا کہ وقت آنے پر ان رضا کاروں کو مجاہدین کے جیش میں تبدیل کر دیا جائے۔ اور ان سے اسلام کی عزت و سربلندی کا کام لیا جائے۔ پیر صبغۃ اللہ شاہ ثانی پیر پگاڑو ؒ کے زمانہ میں حروں نے بدامنی شروع کی اور اس کی وجہ سے انگریزوں نے ان کو پھانسی دی، ان کے بعد سکندر شاہ شاہِ مردان ثانی اپنے اسلاف کے جانشین ہوئے، یہی پیر صبغۃ اللہ (اوّل) ہیں جنہوں نے حضرت سیّد احمد شہید اور ان کے قافلے کی ۱۲۴۱ھ ۱۸۲۶ء کے سفر ہجرت میں بڑی اولوالعزمی کے ساتھ ضیافت و میزبانی کی۔ اور انہی کی وجہ سے ان کے مستقر پیر کوٹ میں آپ کا تیرہ روزہ قیام رہا، سیّد صاحب کے اہل و عیال عمر کوٹ سے آکر چھ، سات سال وہیں مقیم رہے۔ اور پھر آپ کی شہادت کے بعد وہیں سے مستقل طور پر ٹونک منتقل ہو گئے۔

پیر صاحب جھنڈا شریف

سیّد محمد یاسین کے حصّہ میں علَم (جھنڈا) آیا، اور وہ پیر جھنڈا کے لقب سے مشہور ہوئے۔ پیر جھنڈا کا کتب خانہ ہندوستان کے علمی حلقوں میں مشہور و معروف ہے۔ ۱۹۴۴ء کے اوائل میں راقم سطور نے مولانا عبید اللہ سندھی کی ملاقات کے لئے جو اس وقت گوٹھ پیر جھنڈا میں مقیم تھے۔ وہاں حاضری دی، اس وقت اس سلسلہ کے شیخ پیر ضیاء الدین زندہ تھے۔ اور انہی نے میزبانی فرمائی

پیر صاحبؒ بھرچونڈی شریفؒ

سیّد محمد راشد کے تیسرے خلیفہ حضرت شاہ حسن تھے جن سے سندھ، ریاست بہاولپور اور پنجاب میں سلسلہ کی بڑی اشاعت اور عقائد و اعمال کی بڑی اصلاح ہوئی۔ انہی کے سلسلہ میں حافظ محمد صدیق صاحب بھرچونڈی والے ہوئے جن کے دو ممتاز ترین خلفاء، مولانا سیّد تاج محمود امروٹی اور حضرت خلیفہ غلام محمد دین پوری تھے۔ مولانا سیّد تاج محمود امروٹی پر جلال اور جذبۂ جہاد غالب تھا۔ کرامات جلیّہ کا ان سے ظہور ہوا، کئی بار انگریزوں کو چیلنج کیا، اور ان کے مقابلہ میں آگئے۔ حکومت نے شورش عام کے خطرہ سے طرح دی۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا اخلاص و اختصاص تھا۔ ایک مرتبہ ان کی خدمت میں بڑے اہتمام سے ایک ٹوپی بھیجی اس پر لکھا "تاج محمود"

تذکرہ حضرت دین پوری قدس سرہٗ

حضرت خلیفہ غلام محمد صاحب پر جمال کا غلبہ تھا۔ بڑے صاحب سکینت اور تمکین تھے، چہرۂ مبارک گلاب کی طرح سرخ اور آفتاب کی طرح پرانوار معلوم ہوتا تھا۔ نہایت صاحبِ وجاہت اور صاحب جمال تھے، عرصہ تک دستور رہا کہ بہاولپور کا جب کوئی نواب گدی پر بیٹھتا تو خود ہی اس کی دستار بندی گویا تاج پوشی فرماتے، تقریباً ناخواندہ تھے میں نے جب ۱۹۲۱ء میں زیارت کی تو اس وقت کسی استاذ کے سامنے قرآن شریف کی تصحیح فرماتے تھے۔ پنجاب اور سندھ کے تمام مشائخ ان کے علوئے مرتبہ قوت نسبت اور ان کی بزرگی کے قائل تھے، مولانا سیّد حسین احمد صاحب مدنی نے خود مجھ سے فرمایا کہ ان کو بھی حضرت خلیفہ صاحب سے اجازت حاصل ہے۔ ہمارے شیخ و مرشد مولانا عبد القادر صاحب رائے پوری بہت احترام و عقیدت کے ساتھ ان کا نام لیتے تھے۔ اور ان کو اس نواح کے مشائخ کبار میں شمار فرماتے تھے، صاحبزادگان اور خلفاء بھی حضرت سے بہت ربط و تعلق

رکھتے تھے۔

دین پور شریف کی حاضری

غرض ۱۹۳۱ء یا ۱۹۳۲ء کے جون کی کوئی تاریخ تھی کہ میں کراچی میل سے خانپور کے لئے روانہ ہوا۔ ایک رفیق درس اور دوست مولوی محمد موسیٰ سندھی رفیق سفر تھے جو خود بڑے صاحب اصلاح اور قوی الاستعداد نوجوان تھے۔ مغرب کو ہم لوگ خانپور پہنچے، وہاں سے دین پور کی طرف روانہ ہوگئے، غالباً رات ہی کو حضرت کی زیارت ہوگئی ایسا منور چہرہ غالباً اس سے پہلے دیکھنے میں نہیں آیا۔ نہایت کم گو اور کم سخن بزرگ تھے۔ گفتگو بھی فرماتے تو ٹھیٹھ ریاستی زبان میں جو ملتانی و سندھی کا مجموعہ ہے۔ اور جس سے میں بالکل نا آشنا تھا۔

دین پور کی دُنیا

دینپور کی دنیا ہی نرالی تھی، وہ صحیح معنی میں دین پور تھا قادری طریقہ پر ذکر جہر سے مسجد و خانقاہ اور بستی ہر وقت گونجتی رہتی تھی۔ اگر کوئی کسی کو آواز بھی دیتا تو پکارنے والا بھی اِلّا اللہ کہتا اور جواب دینے والا بھی اِلّا اللہ ہی سے اس کا جواب دیتا، اس طرح اذان، ذکر جہر اور صدائے اِلّا اللہ کے سوا کوئی اور بلند آواز سننے میں نہ آتی، یہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ جس میں صرف حضرت اور حضرت کے متعلقین آباد تھے، نیم خام نیم پختہ چند مکانات جن کی تعداد شاید ۵ــ ۷ سے زیادہ نہ ہو۔ ایک سادہ سی مسجد، چند خام حجرے ذاکرین کے لئے، کچھ کھجوروں کے درخت جن کو دیکھ کر عرب کے بادیہ کی بستیاں یاد آتی ہیں، آب و ہوا بھی بادیہ عرب سے ملتی جلتی تھی، مقیمین خانقاہ کے لئے ایک لنگر تھا۔ جس میں خالص سندھی اور بہاولپوری مذاق کا ایسا کھانا تیار ہوتا جو قوت لایموت کا صحیح مصداق تھا۔ اور ہم اودھ کے نازک مزاج مہمانوں کے لئے اس کا کھانا بڑا مجاہدہ اور امتحان تھا۔ گرمی کی شدت تھی، دن بھر لُو چلتی رات کسی قدر ٹھنڈی ہوتی۔

یہ تھا دین پور کا نقشہ، جہاں عمر میں صرف دو مرتبہ جانا ہوا۔ ایک اسی ۱۹۳۱ء یا ۱۹۳۲ء میں دوسرے ۵۸ء یا اس کے بعد، خلیفہ صاحب کی وفات کے عرصہ کے بعد ایک شب کے لئے جانا ہوا، حضرت خلیفہ صاحب کی عمر اس وقت بھی ۹۰ سال سے متجاوز تھی، مولانا احمد علی صاحب کا خط آپ کو سنایا گیا۔ جس میں غالباً حضرت سید صاحب کی نسبت سے میرا تعارف تھا، حضرت نے سلسلہ میں داخل فرمایا اور ذکر قلبی کی تلقین کی، جس وقت رخصت ہونے لگا تو فرمایا کہ "ان کو سلام کہہ دینا" میں نہیں سمجھا کہ اشارہ کس کی طرف ہے۔ صاحبزادہ میاں عبدالھادی صاحب پاس سے گزر رہے تھے، انہوں نے تشریح فرمائی کہ مولانا اشرف علی تھانوی کو، مولانا کا نام سنتے ہی خلیفہ صاحب پر رقت طاری ہوگئی، اس سے اس تعلق کا اندازہ ہوتا ہے جو ان دونوں بزرگوں کے درمیان تھا۔ مجھے معلوم ہوا کہ مولانا تھانوی ایک مرتبہ کراچی سے آتے ہوئے خلیفہ صاحب کی زیارت اور ملاقات کے لئے دین پور ٹھہرے تھے۔

دین پور سے میری واپسی اور لکھنؤ کا عزم

میں دین پور ۳ــ۴ دن ٹھہر کر لکھنؤ واپس آگیا۔ اس کے بعد پھر خلیفہ صاحب کی زیارت نصیب نہیں ہوئی، میں نے مولانا کے حکم کی تعمیل تو کردی تھی، لیکن میں انہی کو اپنا شیخ و مربی سمجھتا تھا۔ اور ان کا بھی معاملہ میرے ساتھ یہی تھا۔ یہ تعلق یوماً فیوماً بڑھتا رہا۔ لاہور آنا جانا آسان تو نہ تھا۔ مگر خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔

میرا پھر لاہور آنا اور دورۂ تفسیر میں شرکت

۱۹۳۲ء کے آخر میں رمضان ۱۳۵۱ھ میں لاہور اس درس کی تکمیل کے ارادہ سے گیا جو فضلائے مدارس کے ساتھ مخصوص تھا اور جس کا سلسلہ آخر شعبان سے شروع ہوکر وسط ذی قعدہ تک جاری رہتا تھا، سردیوں کا رمضان تھا، مدرسہ قاسم العلوم میں قیام تھا، پچاس ساٹھ کے درمیان طلباء تھے۔ جو سب مدارس عربیہ کے فارغ التحصیل تھے۔ یا بالکل آخری درجات (حدیث و تفسیر)

کے طالب علم تھے، فجر کے بعد ذرا دن چڑھے سبق شروع ہوجاتا اور کئی کئی گھنٹے جاری رہتا۔ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی نے ہر رکوع کا خلاصہ اردو کے چند جملوں میں کر رکھا تھا، طلبہ کو وہ اور اس کا ماخذ ازبر کرنا پڑتا تھا، اسی طرح ہر سورت کا عمود یعنی مرکزی مضمون مقرر تھا۔ میں خاندانی طور پر ضعیف الحافظہ ہوں اس لئے سینکڑوں رکوع کے خلاصے یاد کرنے اور مستحضر رکھنے میں بڑی محنت کرنی پڑتی تھی لیکن اس کے بغیر چارہ نہ تھا، مولانا پہلے آموختہ کے طور پر پچھلے اسباق سنتے تھے، پھر سبق پڑھاتے تھے۔ اس سبق میں مولانا کی طبیعت بہت شگفتہ اور خوش رہی۔ توحید کا مضمون، رد شرک و بدعت، اہل اللہ کے واقعات اور دشمنان اسلام سے بیزاری کا اظہار اور ان کے خلاف جدوجہد کے جذبہ کی تحریک ان اسباق کا ایک مشترک اور عمومی مضمون تھا، اس پر ان اشارات و ہدایات کا اضافہ تھا، جن کا تعلق طلباء کی اصلاح و تربیت اور تزکیہ نفس سے تھا۔

دورہ تفسیر کا مقصد اصلی اور اس سے حضرتؒ کا لگاؤ

اس درس کا اصل مقصد و موضوع تو قرآن مجید کے علم و فہم میں بصیرت پیدا کرنا تھا، اور مولانا اس سلسلہ میں اپنے محبوب استاذ مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے متبع اور پیرو تھے۔ جہاں تک اس طرز کا تعلق ہے، مجھے اس سے کچھ زیادہ مناسبت نہیں تھی۔ اسی لئے میں اپنے درس قرآن میں جس کا سلسلہ میں نے لکھنؤ واپس آکر شروع کر دیا۔ اور جس نے بعد میں ادارۂ تعلیمات اسلام میں شہر کے ایک بڑے مرکزی درس کی شکل اختیار کر لی، جس میں شہر کے جدید تعلیم یافتہ اور اعلیٰ عہدیدار بڑی تعداد میں شریک ہوتے لگے۔ اس طرز کی پیروی نہیں کی، لیکن اس درس سے مجھے فائدہ بہت ہوا۔ اور اس کی برکت میں نے اپنی بعد کی علمی اور تبلیغی زندگی میں محسوس کی، سب سے زیادہ مفید و مؤثر مولانا کی صحبت، ان کی زاہدانہ اور مجاہدانہ زندگی، ان کا اخلاص ان کا قرآن مجید سے والہانہ تعلق اور اس کی نشر و اشاعت اور تبلیغ کا بے قرارانہ جذبہ تھا۔ ان کو قرآن مجید کے درس و اشاعت کے بغیر چین نہیں آتا تھا، اور وہ ان کی روح کی غذا اور درد کی دوا بن گیا تھا، ان کے نزدیک اس درس میں ناغہ کرنا گویا گناہ کبیرہ اور سخت کوتاہی تھی۔ میں نے سنا ہے کہ ایک مرتبہ ان کے ایک بچہ کا انتقال ہوا۔ اس کی لاش گھر میں تھی، لیکن اس دن بھی انہوں نے درس کا ناغہ نہیں کیا، درس کے بعد حاضرین کو اس واقعہ کی اطلاع کی اور تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے۔ اوائل ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ شروع مارچ ۱۹۳۳ء میں ہم لوگوں کا قرآن مجید ختم ہوا۔ مولانا نے ہم لوگوں کے امتحان کے لئے اپنے قدیم رفیق خواجہ عبد الحی صاحب فاروقی کو دہلی سے لاہور آنے کی زحمت دی، اس طرح جس طرز تفسیر اور درس قرآن کا آغاز پانچسال پہلے خواجہ صاحب ہی کے ہاتھ پر لکھنؤ میں ہوا تھا۔ اس کا اختتام بھی (امتحان کی شکل میں) انہی کے ہاتھ پر ہوا، ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۵۱ھ بمطابق ۱۲ مارچ ۱۹۳۳ء کو ایک مختصر جلسہ میں جس میں شہر کے بعض علماء اور اہل تعلق شریک تھے۔ مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی نے سند تقسیم کی، اس سند کا عربی مضمون مولانا سید انور شاہ صاحبؒ کا لکھا ہوا ہے، سند پر شاہ صاحب، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی اور مولانا مدنی اور مولانا احمد علی صاحب کے دستخطوں کے فوٹو ہیں۔

حضرتؒ کی خدمات اور ان کے ذرائع

مولانا سے پنجاب اور سندھ میں اللہ تعالیٰ نے تصحیح عقائد، اشاعت توحید اور اصلاح اعمال و رسوم اور انابت الی اللہ کا جو عظیم و وسیع کام لیا، درس قرآن کے علاوہ اس کے دو اور ذریعے تھے، ایک جمعہ کا خطبہ، دوسرے عام فہم اصلاحی رسائل کی اشاعت جمعہ کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ ان کی زندگی میں پنجاب میں اتنا بڑا جمعہ اور اتنی مؤثر و مقبول جمعہ کی تقریر کہیں نہیں ہوتی تھی۔ لوگ دور دور سے آتے تھے اور بہت پہلے سے منتظر رہتے تھے۔ مولانا جمعہ کے خطبہ سے پہلے جس کی عربی میں دینے کی پابندی فرماتے تھے، پورے ایک گھنٹہ اردو میں تقریر فرماتے تھے۔ یہ تقریر خالص اصلاحی اور تبلیغی رنگ کی ہوتی تھی۔ جس کی سب سے بڑی خصوصیت اور طاقت مولانا کی صاف گوئی، بے خوفی اور ہر قسم کی مصلحت اندیشی سے بے پروائی تھی۔ یہ تقریر بالکل مطابق حال ہوتی تھی۔ اس سے غلط عقائد، فاسد اخلاق غیر دینی اور غیر شرعی رسوم و اعمال، غیر اسلامی معاشرت و تمدن پر ضرب کاری لگتی تھی۔ اور ہر وہ شخص جو اس میں مبتلا ہوتا تھا

اس ضرب اور اس کی چوٹ کو محسوس کرتا تھا۔ اور اثر لئے بغیر نہیں رہتا تھا۔ مولانا اس میں کسی رعایت و مداہنت اور اشارے کنایے سے قطعاً کوئی کام نہیں لیتے تھے، اہل حکومت، اہل وجاہت، اہل ثروت، اور دنیا دار علماء و مشائخ اور دین کو پیشہ بنانے والوں اور غلط پیروں پر سخت تنقید کرتے تھے بعض مرتبہ ان کی تنقید اتنی سخت ہو جاتی تھی کہ سننے والوں کو حیرت ہوتی تھی کہ لوگ کیسے برداشت کر لیتے ہیں۔ مجھے تو کئی مرتبہ ڈر معلوم ہوا کہ کہیں یہ سامعین کی برداشت سے باہر نہ ہو جائے۔ اور ان کی زخم خوردہ انانیت اپنے کرب کو چھپا نہ سکے اور انتقام لینے اور بے ادبی پر آمادہ نہ ہو جائے لیکن ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا، صاف معلوم ہوتا تھا، کہ ان کا اخلاص اور ان کی بے غرضی اور بے نفسی، پھر ان کی عنداللہ و عندالناس مقبولیت کسی فتنہ کو اٹھنے نہیں دیتی، سننے والوں کے کانوں میں اب بھی یہ الفاظ گونج رہے ہوں گے کہ "اے لاہوریو! احمد علی چھیالیس برس سے تمہارے درمیان رہتا ہے۔ لیکن وہ اس اٹھارہ لاکھ کی آبادی میں انسان کی صورت دیکھنے کو ترستا ہے۔ تم سب کچھ ہو مگر انسان نہیں ہو" بعض مرتبہ اہل حکومت پر تنقید کرتے، بعض مرتبہ پاکستان کے بانیوں پر اور یہ فرماتے کہ "سی آئی ڈی والو! یہ لکھ لو، میں صاف کہتا ہوں" لیکن جس قدر مولانا کی یہ صاف گوئی اور ان کا اندرونی درد و جوش بڑھتا جاتا، سامعین کی تعداد بھی بڑھتی جاتی۔ اور گرویدگی بھی، لوگوں نے جمعہ اور عام مواعظ میں اچھے اچھے معزز شہریوں، ارکان حکومت، اور وزراء کو بھی دیکھا۔ بارہا سر فیروز خان نون کو لوگوں نے ایک عام شہری کی طرح سر جھکائے ہوئے بیٹھے ہوئے دیکھا، جب جوش آتا تو تقریر کی روانی اور طلاقت لسانی بہت بڑھ جاتی، یہ معلوم ہوتا کہ سینہ میں ایک دریا امڈ رہا ہے۔ اکثر ایسے موقعوں پر کئی کئی منٹ مسلسل پنجابی میں تقریر فرماتے۔ جو ان کی زبان سے بہت بھلی لگتی۔ خاص طور پر جب عورتوں کو خطاب ہوتا جو بڑی تعداد میں موجود ہوتیں ان کے لئے الگ پردہ کا انتظام تھا۔ شادی بیاہ کی رسموں، جھوٹی غیرت اور اسراف بیجا اور مغربی تمدن کی نقالی پر تنقید ہوتی۔ جمعۃ الوداع میں تو اتنی بڑی تعداد ہوتی کہ شیرانوالہ دروازہ کی وسیع مسجد کا صحن اس کے لئے کافی نہ ہوتا۔ اور پاس کے پارک میں جو شہر کے چاروں طرف ہے جمعہ کا انتظام کیا جاتا۔

تبلیغ دین کا دوسرا ذریعہ

اشاعت و تبلیغ کا دوسرا ذریعہ مولانا کے وہ کثیر التعداد تبلیغی رسائل تھے جو وقتاً فوقتاً انجمن خدام الدین کی طرف سے بڑی تعداد میں شائع ہوتے رہتے تھے۔ اور بڑے پیمانے پر ان کی اشاعت ہوتی تھی۔ ان کا موضوع بھی عام طور اصلاح عقائد و اعمال اور رد بدعت ہوتا تھا۔ وہ عوام اور کم پڑھے لکھے لوگوں کی سطح کے مطابق ہوتے اور بڑے ذوق و شوق سے پڑھے جاتے، ان رسائل کی اشاعت مجموعی طور پر لاکھوں کی تعداد میں پہنچ گئی ہوگی۔ مولانا نے سندھی زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور حواشی بھی شائع کئے۔ یہ لکھنا رہ گیا کہ مولانا کو سندھی زبان پر پورا عبور تھا۔ اور اس میں بے تکلف تقریر کرتے تھے اردو میں بڑے اہتمام سے ۱۹۴۷ء میں مترجم قرآن مجید شائع کیا۔ اس میں ترجمہ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب کا ہے۔ اور حواشی اپنے قلم سے اسی طرز تفسیر پر لکھے ہیں۔ جس کے مطابق درس دیتے تھے۔ یہ قرآن مجید بڑی تعداد میں شائع ہوا۔

تبلیغی دورے اور حضرتؒ کی شرائط

مولانا تبلیغی دورے بھی فرماتے تھے، لیکن اس میں ان کے شرائط اتنے سخت تھے کہ بعض اوقات مہینوں ان کی نوبت نہ آتی تھی۔ اس میں ایک شرط یہ تھی کہ اپنے ہی کرایہ سے تشریف لے جائیں گے۔ اس کے لئے بعض اوقات مہینوں انتظار کرنا پڑتا تھا، دوسری شرط یہ تھی کہ جب تک وہاں قیام رہے گا اپنا ہی کھانا کھائیں گے، فرماتے تھے کہ جہاں تبلیغ کرنی ہو وہاں کا کھانا کھا لینے بلکہ بعض اوقات شربت پی لینے سے بھی اثر پڑ جاتا ہے۔ اور آدمی اتنی صفائی اور جرأت سے امر بالمعروف نہی عن المنکر اور احقاق حق کا فریضہ انجام نہیں دے سکتا۔ ایک مرتبہ بعض اہل تعلق کی دعوت پر پونہ تشریف لے گئے گھر سے کوئی ایسی چیز پکوا کر لے گئے تھے جو کئی دن تک خراب نہ ہو۔ جب تک وہاں قیام رہا اسی پر گزارا کیا۔ ظاہر ہے کہ اس کی کوئی فقہی حیثیت نہیں ہے۔ اور یہ قانون ہر ایک کے لئے نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے التزام سے تبلیغ میں بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں۔ لیکن مولانا اس بارے میں صاحب حال تھے۔ کھانے

پینے کے بارے میں ان کی یوں بھی احتیاط و تورع بہت بڑھا ہوا تھا۔ غیر مسلموں کے یہاں کھانے اور بازار کی چیز کو وہ شرعاً جائز سمجھتے تھے، لیکن اس سے بھی احتراز کرتے تھے:

انجمن اور مدرسے کے معاملہ میں حضرتؒ کا طرزِ عمل

وہ عمر بھر انجمن خدام الدین اور مدرسہ قاسم العلوم (انجمن کا قیام ١٩٢٢ء اور مدرسہ کا قیام ١٩٢٤ء میں ہوا) جس کے وہ بانی اور روح رواں تھے۔ ایک پیسہ لینے کے کبھی روادار نہیں ہوئے ساری عمر انہوں نے اعزازی اور رضاکارانہ طور پر خدمت انجام دی، اور اپنے اور اپنی اولاد کے لئے کوئی منفعت حاصل نہیں کی۔ مجھے ان کے ایک قدیم معتمد خاص نے ایک مرتبہ بتایا کہ مولانا سخت علیل ہوگئے۔ معالجین نے آپ کے لئے دوا اور غذا کا ایک نظام بنایا، جس کی آپ کی زاہدانہ زندگی میں گنجائش نہ تھی، انجمن کے ارکان نے یہ سمجھ کر کہ انجمن اور اس کا سارا کام مولانا کے دم سے ہے۔ ان کی زندگی ہی سے انجمن کی زندگی اور بقاء ہے۔ مولانا کے علاج پر کچھ انجمن کے فنڈ سے خرچ کر دیا۔ مولانا کو بیماری سے افاقہ کے بعد جب اس کا علم ہوا تو سخت ناراض ہوئے، اور فرمایا کہ تم نے مجھے ناجائز کھلایا اور اس سب کو اپنے پاس سے ادا کیا۔ جب ہم لوگ مدرسہ قاسم العلوم میں پڑھتے تھے، تو بعض اوقات ملازمین اور واقفین حال سے معلوم ہوتا کہ مولانا کے یہاں کسی کسی وقت فاقہ ہو جاتا ہے، بعض وقت ہم طلباء کے لئے بڑی فراوانی کے ساتھ کھانے پکتے اور ہم سب آسودہ ہو کر کھاتے۔ لیکن مجال نہ تھی کہ مولانا کے یہاں اس میں سے ایک دانہ بھی پہنچ جاتا اور ان کے گھر کا ایک بچہ بھی اس کھانے سے مستفید ہوتا۔

حضرتؒ کی زاہدانہ زندگی

ہم لوگوں کو خوب اندازہ تھا کہ مولانا کے یہاں عسرت اور نہایت سادگی کے ساتھ گزران ہوتی ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ اخفاء حال اور تکلیف سے بچانے کے لئے مولانا اپنے عزیز مہمانوں کے کھانوں کا انتظام باہر کرتے اور انجمن کے کسی خادم یا مسجد کے منتظم کو کچھ نقد عطا فرما دیتے جس سے ان مہمانوں کی مہمان داری ہوتی رہتی۔ مجھے ایک مرتبہ اچانک اس کا اندازہ اور علم ہوا کہ مولانا کے گھر میں عام طور پر کیسی گزران اور کیا معیارِ زندگی ہے۔ رمضان مبارک میں غریب مسلمانوں کے یہاں بھی کچھ نہ کچھ اہتمام اور تکلف ہوتا ہے۔ لیکن مولانا کے یہاں میں نے اتنا بھی اہتمام نہیں پایا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک رمضان مبارک میں میں مولانا کی خدمت میں مقیم تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ آج کھانا میرے ساتھ کھایئے گا۔ افطار ہم لوگوں نے پنجاب کے رواج کے مطابق مسجد میں پانی اور چھوہارے سے کیا نماز مغرب کے بعد مولانا نوافل میں مشغول ہوگئے۔ فارغ ہوئے تو میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ مولوی صاحب! میں گھر میں اطلاع دینا بھول گیا کہ آج آپ ساتھ کھانا کھائیں گے۔ یہ کہہ کر مجھے اپنے ساتھ چلنے کا اشارہ فرمایا۔ کھانا آیا تو صرف روٹی اور دال کا پیالہ تھا، غالباً ماش کی تھی، اسی وقت دہی کا میری خاطر اضافہ کیا گیا۔ مولانا نے کھاتے ہوئے فرمایا کہ مولوی ابوالحسن صاحب! (مولانا مجھے اکثر اسی طرح یاد فرماتے تھے) ہم سے تو یہ دال اچھی ہے کہ جس مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے اس کو اس نے پورا کیا۔ مگر ہم نے اپنی زندگی کا مقصد پورا نہیں کیا۔ اس کے بعد بغیر کسی معذرت کے کھانے میں شریک ہو گئے۔ اور ایسا معلوم ہوا کہ آج کوئی غیر معمولی بات نہ تھی

حضرتؒ کی محتاط زندگی

طمع دنیا اور مشتبہ مال سے احتیاط سے زیادہ مشکل غیبت سے اجتناب اور پرہیز ہے، خصوصاً ان لوگوں کے لئے جو عزلت اور گوشہ گیری کی زندگی گزارتے ہوں۔ اور ان کا مختلف طبقوں کثیر التعداد اور مختلف المزاج لوگوں سے واسطہ پڑتا ہو، یہ بات اس وقت اور بھی زیادہ مشکل ہو جاتی ہے جب کسی طبقہ یا فرد سے اعتقادی اور اصولی اختلاف بھی ہو، اور اس کے ساتھ صریح ظلم کیا گیا ہو۔ مولانا کو ان نازک موقعوں پر بھی ہمیشہ غیبت و شکایت سے مجتنب اور محتاط پایا، درس میں ہر طرح کا تذکرہ آتا۔ تردید و تنقید بھی ہوتی، لیکن کسی موقعہ پر بھی مولانا کو اپنے کسی شدید سے شدید مخالف کی غیبت کرتے ہوئے نہیں سنا گیا

حضرتؒ کی قوت روحانی

مولانا کی قوت روحانی اور اشراقی بہت بڑھی ہوئی تھی، کشف قبور میں بڑا دخل تھا، ان کے صحیح کشف کے بہت سے حیرت انگیز واقعات ہیں۔ جو ان کے مخصوص اہل تعلق کے علم میں ہیں۔ اس قوت کشفیہ سے انہوں نے بعض بزرگوں کے مشہور و مسلم مزارات کے غیر معتبر اور جعلی ہونے کی حقیقت دریافت کی، جو اپنے شہر اور دیار میں مرجع خلائق بنے ہوئے تھے اور ان کے صحیح مدفن کی اطلاع دی، یہ باتیں وہ اپنے بہت ہی معتمد اور مخصوص دوستوں اور خدام سے کرتے تھے۔ فطری اور خداداد مناسبت کے علاوہ اس کمال میں جس میں وہ اپنے معاصرین میں ممتاز تھے۔ اور جو کتابوں کے واقعات اور شیوخ متقدین کی یاد تازہ کرتا تھا۔ ان کے مجاہدہ ریاضت، دوام ذکر اور مشتبہ و مشکوک غذا سے احتیاط کو بہت دخل تھا۔

اہل دین کے معاملہ میں حضرتؒ کا طرز عمل، حضرت مدنیؒ اور حضرت رائپوریؒ

مولانا جہاں اہل دنیا اور اہل دول کے سامنے بڑے خود دار اور غیور واقع ہوتے تھے، اہل دین اور خصوصیت کے ساتھ ان حضرات کے سامنے جن کو اپنے مشائخ اور اکابر کی صف میں شمار کرتے تھے، غایت درجہ متواضع اور منکسر المزاج تھے۔ علمائے حق سے بہت جھک کر اور فروتنی سے ملتے تھے اور ان کی نہایت تعظیم کرتے تھے، دیکھنے والوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مولانا اپنے کو ان کے سامنے ایک معمولی طالب علم سے زیادہ نہیں سمجھتے، معاصر علماء اور مشائخ میں سے ان کو دو شخصیتوں سے بے حد عقیدت تھی، اور وہ ان کے ساتھ اپنے مشائخ کا سا معاملہ کرتے تھے، ایک مولانا حسین احمد صاحب مدنی، دوسرے مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری، ان آنکھوں نے بار بار دیکھا ہے کہ مولانا حضرت رائپوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور نہایت ادب کے ساتھ دو زانو اس طرح مراقب ہو کر بیٹھ گئے جیسے کوئی مرید رشید اپنے شیخ کے سامنے حاضر ہوتا ہے۔ اگر حضرت نے کوئی بات پوچھی تو نہایت ادب کے ساتھ مختصر اور بقدر ضرورت جواب دیا، ورنہ خاموش رہے۔

مولانا سید انور شاہ صاحب کے بھی بڑے معتقد اور مرتبہ شناس تھے۔ ان کی زندگی میں برابر حاضری دیتے رہے۔ اور خوردی اور بزرگی کا معاملہ رکھا۔

دین کے معاملہ میں حضرتؒ کی صاف گوئی

مولانا اگرچہ اپنے استاذ مولانا عبیداللہ سندھی کو اپنا سب سے بڑا محسن و مربی سمجھتے تھے اور اپنے کو ان کا ساختہ و پرداختہ جانتے تھے۔ ان سے اخذ کئے ہوئے طرز تفسیر کو انہوں نے پورے طور پر اپنا لیا تھا، اور اس کی اشاعت و تعلیم کو وہ اپنے فرائض زندگی میں سمجھتے تھے (مولانا نے اس درس قرآن کی ابتداء ۱۹۱۷ء سے کر دی تھی، اور وہ آخر دم تک قائم رہا) لیکن ان کا یہ سارا تعلق دین کے تابع تھا۔ اور وہ اپنی اس نیاز مندی، وفاداری میں عقیدۂ اہل سنت اور مسلک سلف سے بال برابر ہٹنا بھی گوارا نہیں فرماتے تھے، چنانچہ جب مولانا سندھی طویل مدت کے بعد ہندوستان تشریف لائے اور انہوں نے بعض اپنے خیالات و افکار کا اظہار فرمایا۔ جو مولانا کے نزدیک صحیح الخیال علماء، اور راسخ العقیدہ جماعت کے عقائد و افکار و مسلک سے مطابقت نہیں رکھتے تھے اور ان میں مولانا کی حد سے بڑھی ہوئی ذہانت، انفعالیت، اور جذباتیت طویل مسافرت اور زندگی کی ناکامیوں، اور ہمت شکن تجربوں کا اصل دخل تھا۔ اور ان سے مسلمانوں میں ذہنی انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ تھا، تو مولانا نے ان کے خیالات میں مطابقت نہیں فرمائی، بلکہ صاف اپنے خیالات کا اظہار کر دیا، جس سے مولانا سندھی کو رنج بھی ہوا اور شکایت بھی پیدا ہوئی۔ اس لئے کہ وہ مولانا سے اس کی بالکل توقع نہیں رکھتے تھے، لیکن مولانا احمد علی صاحب نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ اور پوری نیاز مندی اور سعادت مندی کے ساتھ اپنے مسلک پر قائم رہے۔

حضرت لاہوریؒ کی وسیع المشربی

مولانا بڑے وسیع النظر، وسیع القلب بزرگ تھے، عبادات و احکام میں فقہ حنفی اور مسلک دیوبندی کے پابند ہونے کے باوجود جماعت اہل حدیث اور اس جماعت کے علماء اور صلحاء سے ان

ان کے بڑے اچھے تعلقات تھے۔ اور وہ ان کا احترام کرتے تھے وہ عید کی نماز التزاماً مولانا سید محمد داؤد صاحب غزنویؒ کے پیچھے جو جماعت اہل حدیث کے امام اور امیر تھے۔ بادامی باغ کے کھلے میدان میں پڑھتے تھے۔ اس لئے کہ یہ زیادہ مطابق سنت ہے انہوں نے اپنی الگ عیدین کی نماز قائم کرنے کی کبھی اجازت نہیں دی۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو شاید وہ لاہور کی سب سے بڑی جماعت ہوتی۔ ان کی ایک صاحبزادی بھی ایک اہلحدیث عالم کے نکاح میں تھیں، پنجاب اور لاہور کے اہلحدیث حضرت مولانا سے عقیدت و محبت رکھتے تھے۔ اور برابر آتے جاتے رہتے تھے۔

مولانا حسین علی صاحب واں بھچراں (ضلع میانوالی) سے جو عقیدۂ توحید کی تبلیغ و تصریح میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے نقش قدم پر تھے۔ اور ان کی تفسیر قرآن کا بھی مرکز و محور تھا سے خاص عقیدت رکھتے تھے۔ اور ان کو بھی مولانا سے بڑی محبت و خصوصیت تھی۔ ان کی دعوت پر کئی بار خدام الدین کے جلسوں میں تشریف لائے۔

مجلس احرار اور اس کے زعماء سے تعلقات

مجلس احرار کے علماء و زعماء بالخصوص مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب، اور مولانا حبیب الرحمان صاحب لدھیانوی کیساتھ برادرانہ تعلقات تھے۔ اور وہ حضرات مولانا کو اپنے سچے خیرخواہوں اور بزرگوں میں سمجھتے تھے، شاہ صاحب کے ہاتھ پر علماء و صلحاء کی ایک بڑی جماعت (جن میں مولانا سید انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے) نے انجمن خدام الدین ہی کے جلسہ میں بیعت امارت کی تھی۔ اور وہ اسی وقت سے امیر شریعت پنجاب کہے جانے لگے تھے

بعض بزرگوں سے حضرتؒ کا خصوصی تعلق

مولانا احمد علی صاحب آخر وقت تک مولانا ابوالکلام آزاد کا بڑے احترام سے نام لیتے تھے۔ اور ان کی سیاسی بصیرت، اصول پر ثبات و استقامت اور علمی و ذہنی صلاحیتوں کے بڑے قائل تھے۔ مولانا حمیدالدین صاحب فراہی اور علمائے ندوہ کے نام بھی ہمیشہ احترام سے لیتے تھے مولانا سلیمان ندویؒ سے خاص طور پر مانوس اور ان کے علم و فضل کے معترف تھے اپنے ترجمہ و حواشی قرآن پر سید صاحب سے تقریظ بھی لکھوائی۔

حضرت لاہوریؒ کی مجاہدانہ زندگی

مولانا شروع سے مجاہدانہ جذبات و عزائم کے حامل تھے اور یہ بات ان کو اپنے مربی مولانا عبیداللہ صاحب سندھی اپنے شیخ طریقت مولانا سید تاج محمود امروٹی اور اپنے استاذ حدیث شیخ الہند مولانا محمود الحسن دیوبندی سے وراثت میں ملی تھی۔ مولانا کا آخر تک اسی جماعت و گروہ سے تعلق رہا۔ جو انگریزوں کا دشمن ہندوستان کی آزادی کے لئے کوشاں اور ممالک اسلامیہ کی آزادی و استقلال کا خواہش مند تھا۔ وہ تحریک خلافت کے ایک سرگرم کارکن اور جمعیۃ علماء کے ایک وفادار کارکن تھے۔ انہوں نے ۱۹۲۰ء کی تحریک ہجرت میں بھی شرکت کی تھی اور کابل گئے تھے۔ لیکن یہ دیکھ کر کہ افغانستان اور دوسرے اسلامی ممالک میں قرآن مجید کی اشاعت و تفہیم اور اسلامی تعلیمات و احکام کی تبلیغ کی اتنی آزادی و گنجائش بھی نہیں تھی جتنی ہندوستان میں ہے، ہندوستان واپس آگئے تھے، کھدر کا استعمال انہوں نے آخر آخر تک نہیں چھوڑا تھا۔ اسی حق گوئی اور حکومت برطانیہ کی مخالفت کی پاداش میں وہ انگریزوں کے عہد میں کئی بار جیل گئے اور اسی جرم میں وہ دہلی سے جہاں وہ مولانا عبیداللہ سندھی کی نیابت میں تعلیمات قرآن کی اشاعت کر رہے تھے۔ جلا وطن کر کے لاہور لائے گئے پاکستان بننے کے بعد بھی ان کی حق گوئی دنیا کی ذمہ داران حکومت پر تنقید اور ان کے غیر دینی اور غیر جمہوری رجحانات کی مخالفت و تردید میں کوئی فرق نہیں آیا، وہ ۱۹۵۳ء میں تحریک ختم نبوت کے سلسلہ میں جیل گئے، اپنے خطبات و مواعظ میں برملا اہل حکومت پر تنقید کرتے، اور اس میں کسی مصلحت اندیشی اور مداہنت سے کام نہیں لیتے تھے، جو مولانا کی تقریریں سنتا وہ اقبال کے اس شعر کی تصویر اور عملی تصدیق پاتا۔

آئینِ جواں مرداں حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی

اپنے خدام سے تعلق

مولانا اپنے مسترشدین و خدام کے ساتھ نہایت شفقت اور نوازش کا معاملہ فرماتے اور اس بارہ میں "وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ" پر عمل کرتے ہر شخص کو اپنا حال معلوم ہے، میں مولانا کے مکتوبات پڑھتا ہوں ان کی پدرانہ شفقت اور مربیانہ عنایت کو دیکھ کر دل پر چوٹ لگتی ہے۔ اور اپنی نا اہلی و ناکامی کو یاد کر کے سر ندامت سے جھک جاتا ہے۔ یہ خطوط قلب حزیں کی تسکین اور یاس و دل شکستگی کے شدید حملوں کے وقت سکون و تقویت کا بڑا ذریعہ ہیں۔

بہر تسکیں دل نے رکھ لی ہے غنیمت جان کر
جو بوقت ناز کچھ جنبش تیرا ابرو میں تھی

یہاں پر صرف دو اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں ۲۷ فروری ۱۹۴۸ء کے ایک مکتوب میں فرماتے ہیں :۔

"چونکہ آپ میرے لئے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ کا جو فضل بھی آپ پر ہو وہ میرے لئے باعث صد فخر ہے، مجھے جس طرح مولوی حبیب اللہ سلمہٗ (فرزند اکبر) کی ترقی سے فرحت ہو سکتی ہے اسی طرح بلکہ واقعہ یہ ہے کہ بعض وجوہ کی بنا پر اس سے زیادہ خوشی اور سرور آپ کے درجات کی ترقی سے ہوتا ہے۔ اب یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو استقامت عطا فرمائے اور موجودہ دور فتن میں تمام مسائل و آلات سے مامون رکھے۔ آمین یا الٰہ العالمین آمین"

ایک دوسرے مکتوب میں جو ۱۹ مئی ۱۹۵۶ء کا ہے تحریر فرماتے ہیں :۔

آپ کی ہر کامیابی سے جتنا میرے دل میں سرور اور فرحت حاصل ہوتی ہے غالباً دنیا میں اور کوئی نہیں جسے اس درجہ کی راحت حاصل ہو میرا دل آپ کی ترقی دارین کے لئے بارگاہِ الٰہی میں ملتجی ہے، اللہ تعالیٰ آپ کو عمر دراز عطا فرمائے اور اپنی مرضی کے مطابق عمر بھر اشاعت کی توفیق عطا فرمائے۔

(آمین یا الٰہ العالمین آمین)

زندگی کا مختصر خاکہ

شاید بہت سے لوگوں کو معلوم نہ ہو گا کہ مولانا ایک نو مسلم خاندان کے فرد تھے۔ مولانا کے والد شیخ حبیب اللہ صاحب خود اسلام لائے تھے، وہ گوجرانوالہ پنجاب (قدیم قصبہ جلال وطن ثانی چک باہو ولادت ۲ر رمضان المبارک ۱۳۰۴ھ) کے ایک شریف ہندو خاندان کے فرد تھے۔ مولانا عبید اللہ صاحب جو اصلاً پنجابی تھے طویل قیام کی وجہ سے سندھی مشہور ہو گئے۔ ان کے رشتے دار ہوتے تھے (مولانا سندھی سے حضرت لاہوری کی والدہ محترمہ کا نکاح ثانی ہوا تھا) مولانا کی تعلیم و تربیت انہی کے زیر سایہ اور نگرانی میں ہوئی، اور انہوں نے اس تعلق کا حق ادا کر دیا مولانا کی ہجرت کے بعد انہی نے ان کے کام کو سنبھالا اور دہلی میں ان کے درس کا سلسلہ جاری رکھا۔ جب انگریزی حکومت نے ان کو جلا وطن کر کے لاہور پہنچایا تو آپ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر درس قرآن کا آغاز کیا۔ رفتہ رفتہ آپ شیرانوالہ دروازہ میں اس مسجد میں منتقل ہوئے جو لائن والی مسجد یا سبحان کی مسجد کے نام سے مشہور ہے اس مسجد کا مسقف حصہ نہایت مختصر تھا جو اب بھی موجود ہے اس کے بغل میں جانب شمال ایک وسیع چبوترا تھا جس پر گرمیوں میں ٹھنڈے اوقات میں نماز ہوتی تھی، جب آپ کا درس مرجع عام و خاص بن گیا اور قدیم مسجد بالکل ناکافی ثابت ہوئی تو اس چبوترا پر چھت پڑ گئی اور روز بروز مجمع زیادہ ہونے لگا آپ کی قبولیت و مرجعیت برابر بڑھتی گئی۔ اور آخری زندگی میں تو یہ حال ہو گیا کہ لوگ دور دور سے پروانہ وار آتے اور ایک ہجوم رہتا۔ اسی کے ساتھ آپ کی مشغولیت اور انہماک بھی بڑھتا گیا بعض اوقات ملاقات و زیارت کے لئے آنے والوں کو گھنٹوں انتظار کرنا پڑتا اور بہت دیر میں باری آتی۔ بعض دن ناشتہ کی نوبت ہی نہ آتی دوپہر کے کھانے میں بہت دیر ہو جاتی، آخر میں سر برآوردہ اور صاحبِ

وجاہت اشخاص کو بھی کئی کئی دن کے انتظار کے بعد ملاقات کا موقعہ ملتا۔ اس بارہ میں آپ کا معاملہ مقبولین خدا اور اولیا اللہ کے مشابہ تھا کہ جتنا سفر کا وقت قریب آتا جاتا تھا لوگوں کی عقیدت ومحبت بڑھتی جاتی تھی۔ اور نفع و افادہ کی مقدار بھی اسی کے بقدر، بالآخر وہ وقت آگیا کہ نصف صدی کا پُرمشقت اور طویل مجاہدہ کا سفر کرنے والا اپنی آخری آرام گاہ پر پہنچے اور اپنی محنت ووفاداری کا انعام پائے ۱۳۸۱ھ کے رمضان المبارک کی ۱۸ تاریخ مطابق ۲۳ فروری ۱۹۶۲ء کو حاضری کا پیام آگیا، اور نماز عشاء میں بحالت سجدہ انتقال ہوا اور خادم قرآن، قرآن نازل کرنے والے کے جوار رحمت میں پہنچ گیا، جنازہ میں لوگوں کے پروانہ وار ہجوم اور اجتماع عظیم کا وہ منظر تھا جو لاہور کے عظیم شہر نے مدت دراز سے نہیں دیکھا تھا۔ اور شاید مدت دراز تک نہ دیکھے، غروب آفتاب کے ساتھ تبلیغ و اشاعت دین کا یہ آفتاب بھی لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل اور خاک کے پردہ میں نہاں ہوگیا اور سینکڑوں ہزاروں آدمیوں نے وہیں افطار کیا اور بادیدہ نم واپس آئے۔

مولانا جب لاہور آئے یا لائے گئے تو تن تنہا تھے، اور ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر درس قرآن کا آغاز کیا تھا۔ لیکن جب اس شہر کو داغ مفارقت دیا تو خدا کے ہزاروں بندے سوگوار اور ان کے فراق میں اشکبار تھے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِينَ لَا يُرِيدُونَ عُلُوًّا فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ ۝

بقیہ : خطبہ جمعہ

سے متعلق ہزاروں بندگان خدا ہیں جنہوں نے اس مرد دانا بینا یا اس کے خدام اور شاگردوں سے قرآن پڑھا۔ اوران کی زندگی میں انقلاب آگیا۔

یہ ایک مثال ہے خدمت قرآن کی۔ ورنہ اس برصغیر میں وہ وہ لوگ قدرت نے پیدا کیے۔ جنہوں نے خدمتِ قرآنی کے ذریعہ تاریخ کا ایک ایک باب رقم کیا۔ حتیٰ کہ مولانا ابوالکلام آزاد جیسے انسان جن کے بکثرت نکتہ چیں آج بھی موجود ہیں۔ اور زبان میں فی الحقیقت ترجمان القرآن تھے اور اللہ کے ترجمہ و تفسیر سے کئی دہریے راہ راست پر آگئے جیسا کہ ایک صاحب نے مجھے خود بتلایا کہ آزاد علیہ الرحمۃ کی تفسیر میرے اندر انقلاب لائی ورنہ اسلام سے سخت بیزار تھا۔ تو دوستو اور بزرگو! یہ امت کے محسن ہیں اور ان کے صدقہ سے آج اسلام و ایمان کی کھیتی ہری بھری ہے۔ خدانخواستہ یہ لوگ بھی آج کی اکثریتی آبادی کی طرح مصلحت کوش اغراض پرست اور بندہ بے دام ہو جاتے تو آج ہمارا خدا ہی حافظ تھا۔

حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ نے نصف صدی جس طرح قرآن کی خدمت کی اس میں ہمارے لیے ایک نمونہ ہے۔ اعتماد علی اللہ کا، مخلوق خدا سے بے نیازی کا لیکن مخلوق خدا کی دینی ہمدردی اور اس معاملہ میں ان کے لیے ایثار کا بھی ایک عظیم سبق موجود ہے۔

آج جہاں قرآنی سالگرہ کے اس مہینہ میں ہم نے تجدید عہد کرنا ہے وہاں اس ماہ کی ۱۷ تاریخ کو دنیا سے رخصت ہونے والے اس عظیم انسان کے حضور زبردست خراج عقیدت بھی پیش کرنا ہے۔ جس کی وصیت یہ تھی کہ قرآنی تبلیغ کسی حال میں نہ چھوڑنا۔

اللہ تعالیٰ حضرت شیخ التفسیر قدس سرہ سمیت تمام محسنان ملت اور اعیان دین کی قبروں پر بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق بخشے۔

واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

مدرسہ جامعہ قاسمیہ شرف الاسلام (رجسٹرڈ) چوک منڈا

● مدرسہ ہذا انتہائی پسماندہ علاقہ میں حضرت درخواستی مدظلہ کی سرپرستی میں ۹ سال سے دینی خدمات انجام دے رہا ہے ● اس عرصہ میں ۱۷ حضرات مدرسہ فارغ ہوئے جو مختلف علاقوں میں سرگرم عمل ہیں ● اب تک ۱۳ بچے حفظ اور لاتعداد ناظرہ قرآن مجید ختم کر چکے ہیں ● مدرسہ ہذا نے تبلیغ کے ذریعے سینکڑوں بندگان خدا کو راہ ہدایت پر لا کھڑا کیا ● گزشتہ ۶ اساتذہ کی زیرنگرانی ۹۰ بچے زیرتعلیم رہے جن میں سے ۵۰ طلبہ کی جملہ ضروریات کا مدرسہ کفیل تھا ● مدرسہ میں حدیث و تفسیر صرف و نحو منطق و فلسفہ وغیرہ جملہ علوم پڑھائے جاتے ہیں ● چوالیس ہزار روپیہ اور اڑھائی سو من گندم قریباً سال کا خرچہ ہے جبکہ مسجد کی چھت کے لیے دس ہزار روپیہ کی فوری ضرورت ہے ● جملہ اخراجات اہل ثروت کے عطیات سے پورے ہوتے ہیں ● سالانہ روئیداد مفت طلب کریں۔

(مولانا) محمد عبدالمجید ناظم اعلیٰ و مدرس جامعہ قاسمیہ چوک منڈا۔ ضلع مظفر گڑھ۔

ضرورت مدرس

ایک تجربہ کار حافظ و قاری کی ضرورت ہے جو کہ محلہ کے بچوں کو حفظ و ناظرہ کی تعلیم دے سکے اور انہیں چند سالہ تعلیم و تدریس کا تجربہ ہو جمعیۃ علماء اسلام کا ذہن رکھتے ہوں اور اکابرین جمعیۃ حضرت درخواستی، مفتی محمود، مولانا عبیداللہ انور مدظلہم سے گہری عقیدت ہو۔

خط و کتابت کا پتہ

(مولوی) عبداللطیف بالاکوٹی خطیب شاہی مسجد۔ سرائے عالمگیر ضلع گجرات

حافظ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ صاحب درخواستی کی عظیم نایاب کتاب

اصول

زندگی گزارنے کے لیے ۱۰۰ زریں اور سنہری اصول

اس کتاب میں آپ کو زندگی گزارنے کے اصول سکھائے گئے ہیں۔ آج ہی طلب فرمائیں کیونکہ کتاب مذکور محدود تعداد میں ہے۔

قیمت صرف ایک روپیہ

منیجر عوامی کتاب گھر متصل مسجد حق نواز خاں بنوں شہر 8152

بورے والا میں ہفت روزہ خدام الدین، ماہنامہ الحق، ماہنامہ الرشید کا دارالعلوم دیوبند نمبر **قذافی دواخانہ** وہاڑی بازار بورے والا سے حاصل کریں۔

پرچہ گھر پر پہنچانے کا معقول انتظام ہے۔

قذافی دواخانہ بورے والا — سربند ادویات اور دیسی جڑی بوٹیاں خریدنے کے لیے تشریف لائیں نیز نسخہ جات احتیاط سے تیار کیے جاتے ہیں۔ ●

توحید اور شرک کی حقیقت

کس قدر حسرت و افسوس بلکہ حیرت و استعجاب کا مقام ہے کہ آج عموماً فرزندان توحید، توحید کی حقیقت اور شرک کی ماہیت سے بے خبر ہیں جس کی وجہ سے اچھے بھلے، پڑھے لکھے لوگ بھی شرک میں ملوث و مبتلا ہیں (معاذ اللہ)

مولانا سید نورالحسن بخاری نے اپنی اس ضخیم کتاب میں توحید اور شرک کی حقیقت خوب واضح کی ہے۔ شرک کے عوامل و محرکات، اس کے آغاز، اس کی تاریخ، اس کی اقسام، ذرائع، نیز شرک فی العبادت کے تحت سجدہ، نذر و منت، ذبح و نحر اور وما اُھِلّ بہ لغیر اللہ پر مفصل بحث کی ہے۔ عبادت کے معنی، اس کی تعریف اور قسموں کے بعد اس کے تین اصول یعنی الوہیت کی تین بنیادی صفات خاصہ علم غیب، حضور و شہود اور اختیار کلی کو شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ کتاب کا آخری باب سد ذرائع شرک پر مشتمل ہے۔ اس میں تجاوز فی التعظیم، حلف، قبر اور فتنہ قبر اور تصویر وغیرہ پر مدلل بحث ہے۔ ضمناً دعا، وسیلہ، ریاء، اطاعت غیر اللہ وغیرہ مسائل پر مفصل بحثیں ہیں۔ مختصر یہ کہ بڑی ایمان افروز قابل مطالعہ تالیف ہے۔

ضخامت بڑے سائز کے ۸۰۰ صفحات، طباعت عکسی

مؤلفہ **مولانا سید نورالحسن بخاری**

قیمت ۱۸ روپے صرف رقم پیشگی بھیج کر منگوا لیں

دینی کتابوں کا مرکز — ڈاک خرچ معاف

توحیدی کتب خانہ

متصل مدرسہ تعلیم الفرقان جامع مسجد توحید، توحید چوک توحید نگر چاکیواڑہ کراچی

اعلان داخلہ

جامعہ مدنیہ تجوید القرآن بنوں میں پہلے صرف تجوید و قراءت کا انتظام تھا۔ اب درس نظامی کا بھی انتظام کر دیا گیا ہے۔

لہٰذا طلبہ ۲۰ شوال تک داخلہ لے لیں۔

نوٹ: طلبہ کو ہر قسم کی سہولتیں مہیا کی جاتی ہیں۔

مخیر حضرات اپنے عطیات کے ذریعہ مدرسہ کی امداد فرمائیں کیونکہ کوئی مستقل آمدنی نہیں۔

قاری حضرت گل

مہتمم جامعہ مدنیہ تجوید القرآن (رجسٹرڈ) مسجد حق نواز۔ بنوں

طلباء کا صفحہ

نوجوان نسل کی سوچ

انجمن خدام الدین لاہور کے زیر اہتمام و نگرانی دینی تعلیم کے ضامن و کفیل مدرسہ قاسم العلوم لاہور کے طلبہ، جمعیۃ طلباء اسلام سے باقاعدہ متعلق ہیں۔

ان طلبہ نے یہاں جمعیۃ کا یونٹ قائم کر رکھا ہے اور وہ مختلف مواقع پر تقریبات منعقد کرتے رہتے ہیں، چنانچہ گزشتہ دنوں ایک اجلاس زیر صدارت مولوی صالح محمد صاحب منعقد ہوا جس میں مولوی محمد صدیق صاحب نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ الٰہی قوانین پر عمل پیرا ہونے کا مرحلہ تو بعد میں آتا ہے جب کہ پہلا مرحلہ ان کی حقانیت کو تسلیم کرتا ہے لیکن بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے یہاں اس قسم کے لوگوں کی کمی نہیں جو ان قوانین کے متعلق اس قسم کی باتیں اس ملک میں کرتے ہیں جو اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا اور جس کے حصول کے لئے بیش بہا قربانی دی گئی تھی، پھر ستم بالائے ستم یہ ہے کہ یہ باتیں کہنے والے ذمہ دارانہ حیثیتوں کے مالک ہیں۔

انہوں نے موازنہ کرتے ہوئے کہا کہ آج کے دور میں سعودی عرب وغیرہ ممالک جہاں اسلامی حدود وغیرہ کا نفاذ ہے وہاں جرائم نہ ہونے کے برابر ہیں اور ساتھ ہی ساتھ دولت کی بھی ریل پیل ہے جس سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ اسلام انسانیت کے لئے امن و رحمت کا مذہب ہے۔ مولوی عبداللہ صاحب نے حضور علیہ السلام کے اس ارشاد کہ جس نے فساد کے زمانہ میں میرے طریق و سنت کو زندہ کیا اس کے لئے سو شہیدوں جتنا اجر و ثواب ہے، پر اظہار خیال کیا اور کہا کہ آج کے دور کو دور فساد کے علاوہ کسی نام سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ آج دنیا کا ایک بڑا طبقہ مذہب کو سرے سے تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں جب کہ دنیا، یورپ اسلام دشمنی میں پہلے سے کہیں زیادہ آگے بڑھ چکی ہے اس کے باوجود اسے دعویٰ ہے کہ وہ امن پسند اور تہذیب یافتہ ہے ایسے میں سسکتی ہوئی دنیا کو راہ حق کی طرف بلانا نہایت ضروری ہے تاکہ دنیا امن و طمانیت کا گہوارہ بن سکے لیکن اس کے لئے زبانی تبلیغ کے ساتھ عملی تبلیغ بہت زیادہ موثر ہوگی اور اس کا ایک ہی طریق ہے کہ ہم اپنے عمل و کردار کو سنن نبوی کے سانچہ میں ڈھال لیں۔ اس سے جہاں اخروی اجر و ثواب حاصل ہوگا وہاں ہم دنیا میں بھی انسانیت کے محسن ثابت ہو سکیں گے۔

مولوی نذر محمد صاحب نے نظام تعلیم پر اظہار خیال کیا اور کہا کہ اسلام نے اپنی زندگی کے پہلے دن سے تعلیم کے مسئلہ پر خاصی توجہ دی لیکن جب دنیا میں یورپ پر بربریت عام ہوئی تو انگریز نے نظام تعلیم کو بھی زیر و زبر کر ڈالا۔ اس موقعہ پر دینی علوم بے یار و مددگار ہو کر رہ گئے تو علماء نے مدارس کی داغ بیل ڈالی اس طرح قدیم و جدید کے دو متوازی سلسلے قائم ہو گئے لیکن آزادی کے بعد ضروری تھا کہ ملی اور قومی تقاضوں کے پیش نظر نیا نظام وضع ہوتا قدیم و جدید یا بالفاظ دیگر مسجد و کالج کا بُعد ختم ہوتا پر بدقسمتی سے ایسا نہیں ہو رہا جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے یہاں افتراق بڑھ رہا ہے اس افتراق کو ختم کرنے کے لئے جمعیۃ طلباء اسلام میدان میں آئی ہے اور وہ اس چیلنج کا ضرور مقابلہ کرے گی۔

حافظ اقبال محمود صاحب نے اسلامی اخوت و بھائی چارگی پر روشنی ڈالی انہوں نے قرآن و حدیث کے ارشادات کے ساتھ ساتھ تاریخی واقعات کی روشنی میں ثابت کیا کہ اسلام سے بڑھ کر جوڑ اور باہمی یگانگت و اتحاد کی کسی مذہب نے دعوت نہیں دی۔ انہوں نے آج کے افتراق و انتشار کو مسلمانوں کا ذاتی فعل قرار دیا اور بتلایا کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔

انہوں نے واضح کیا کہ چونکہ مسلمانوں نے ربانی ہدایات کے برعکس اپنی الگ دنیا بسالی ہے اس لئے وہ پریشانی کا شکار ہیں۔ انہوں نے امید ظاہر کی کہ آئندہ چند روز میں جدہ میں مسلم ممالک کی کانفرنس انما المومنون اخوۃ کی حقیقی اور عملی تعبیر ثابت ہوگی۔

آخری مقرر مولوی محمد ابراہیم صاحب نے جہاد کے مسئلہ پر روشنی

ٹیلیفون نمبر ۶۰۵۲۵

The Weekly "KHUDDAMUDDIN"
LAHORE (PAKISTAN)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶۰۴۷

منظور شدہ محکمہ تعلیم (۱) لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G/۱۶۳۲۱ مورخہ ۲ مئی ۱۹۶۵ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C ۲۲۴-۲۳۸۱ مورخہ ستمبر ۱۹۶۵ء (۳) کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۲۹/۹/۶۶-۲۰۲ D.D.9 مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۶۶ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ چٹھی نمبر G.M/۲۰-۱۵۲۱ مورخہ ۳ مارچ ۱۹۶۶ء

ڈالی اور کہا کہ اسلام اپنے ماننے والوں کو ہر وقت جد و جہد میں
مصروف رہنے کا سبق دیتا ہے اور اس بات کا تقاضا کرتا ہے
ہے کہ مسلمان کی زندگی کا ایک ایک لمحہ مجاہدہ کی شکل اختیار کرلے۔
انہوں نے کہا میدان جنگ کی نوبت کبھی کبھی آتی ہے لیکن زبان،
قلم اور دوسری صلاحیتوں سے جہاد ہر وقت جاری رہتا ہے۔
ہم لوگوں نے چونکہ اس مقدس اسلامی فرض کے معاملہ میں بہت
دنوں سے غفلت کا وطیرہ اختیار کر رکھا ہے۔ اس لئے ہم اغیار کی
دست برد کا شکار ہیں۔

انہوں نے ملت سے اپیل کی کہ وہ اپنی صفوں میں جذبہ جہاد
بیدار کریں تاکہ دین حق کے غلبہ کی صورت پیدا ہو سکے۔

بقیہ: احادیث الرسول ﷺ

رب کا شکر گزار بندہ بن سکے۔ اسے دونوں حالتوں
میں دعا کرنے، صبر کرنے اور شکر گزار ہونے کے
مواقع ملیں۔ اس کے بغیر انسان کے اندر کمال پیدا
نہیں ہوتا۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے سونے
چاندی کے ڈھیروں کی بجائے اس حال کو پسند فرمایا۔

مجلس ذکر اور آیت کریمہ

رمضان مقدس کے اختتام پر مجلس ذکر کا مبارک مشغلہ دوبارہ شروع
ہو رہا ہے
پہلی مجلس ذکر ۹ اکتوبر بروز جمعرات اپنے وقت پر ہوگی اور ساتھ ہی
آیت کریمہ کا ختم ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ
احباب مطلع رہیں۔ (ناظم)

دعائے صحت میری بھتیجی ڈھڈیال ضلع جہلم میں شدید علیل ہے احباب
سے دعا کی درخواست ہے۔ (محمد رفیع نجم، لاہور)